فاقصص القصص لعلهم یتفکرون

اے نبی آپ لوگوں سے خاصان حق کے قصے بیان کیجئے شاید کہ یہ سمجھ سکیں۔

انہیں غوث و قطب کہنا تو تسکینِ خیالی ہے
سراپا فضل رحمٰن ہے۔ حقیقت فضل رحمٰن کی

افضال رحمانی

(حصہ اول)

سوانح حیات طیبات رئیس العارفین امام المحدثین غوث زماں حضرت سیدنا و مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ قدس اللہ سرہٗ گنج مراد آبادی کا وہ نادر مجموعہ جو بہ اعتبار سند و صحت انتہائی مستند اور بلحاظ واقعات اپنی آپ مثال ہے

(تصنیف منیف)

شہ سوار راہ معرفت غواص بحر حقیقت سلطان الفضلاء

شہزادۂ رحمانیہ مفتیٔ اعظم شاہ افضال رحمٰن عرف بھولے میاں صاحب جوہر گنج مراد آبادی مدظلہ

بحسن اہتمام

منشی محمد شفیع صاحب رحمانی سوداگر زیورات بارہ دوڈ گیا

در شمسی پریس کھیسا ٹولہ گیا نہ لور طبع آراستہ گردید

بار اول تعداد ۱۰۰۰ قیمت عہ

محب اللہ رحمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افضال رحمانی

الحمد للہ علی احسانہ ومتوکلا علی العزیز العلام ومصلیا علی سید الانام لبنۃ التمام ومسلما علی آلہ الفخام وصحبہ العظام ومشائخ الکرام ثم اقول مستمدًا من ارواح بررۃ الاسلام

نگاہ اولین

قاعدہ کلیہ ہے کہ جب عقائد میں ضعف ایمان میں تزلزل دلوں میں تاریکی خیالات میں پراگندگی پیدا ہونے لگتی ہیں تو کسی نہ کسی شیخ کامل کا ظہور ہوا جس نے اپنی تجلیات روحانی سے عقائد پر جلائے ایمان پر صیقل تصحیح دلوں میں ایمانی خیالات میں پختگی ہی صرف پیدا نہ کی بلکہ ایسے لوگوں کو کسب خیر کا مستانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا۔ سرزمین ہند کے مختلف خوش قسمت مقامات کی طرح خطۂ گنج مرادآباد میں بھی ایسی بہت سی جلیل القدر ہستیاں ہم کو شرف بیداری بخش کر محو خواب راحت ہو گئیں لیکن ہمارا وہ عالم ہے کہ نہ ہم ان محسنین اسلام سے واقف نہ ان کے نام آشنا۔ ہماری اس بے حسی کے باوجود قدرت کی کرم فرمائیاں روز افزوں فیاضیوں پر ہمارے شامل حال برابر رہیں اور رحمدار فیاض نے پھر اس سرزمین کو اپنے الطاف خصوصی سے دوبارہ سیراب کیا کہ جس ذات کا چار سو برس پیشتر سے انتظار تھا اور اولیائے عظیم المرتبت نوید تشریف ارزانی دیا کرتے تھے اس کا مشتاقوں سے اب انتظار نہ ہوتے دیکھ کر مکی مدنی ابر کرم اس طرح جوش زن ہوا ؎

ابر جو ناداں سے اٹھا تھا اک سیلاب نما	اور جو بام بخارا پر کبھی آکر تھا گرا
ساقی سرہند کو سیراب جس نے تھا کیا	گنگ کے حلقے میں وہ آکر فضل رحمٰن تھا بنا

نور علی نوری کی بجلی جو گری معراج میں
اس کے کڑکے کی لپک تھی فضل رحمٰن راج میں

بالآخر مخدومنا حضرت شیخ عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی نے مخدوم شیخ اہل اللہ میاں صاحب کو جو نوید مسرت عطا فرمائی تھی کہ "آپ جیسی ذات چار سو برس بعد پیدا ہوئی کہ جس کے سامنے دیگر ستارے ماند ہیں" اور حضرت مخدومی شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی کو حضرت جلال الملت والدین شاہ جلال صاحب الملقب بہ تاج بخش شاہ گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو یہ بشارت بخشی

کہ "آپ وہ اعلیٰ نسبت ذات ہیں جو کتاب و سنت کی مکمل تصویر ہیں"۔ اب پوری ہوتی ہے اور فضل رحمٰن سراپا فضل رحمٰن بنکر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اپنے بیش رو میٹھی نیند سونے والوں کے مقام استراحت گنج مراد آباد کو گنج مراد آباد بنا دیتے ہیں۔ قاعدہ بھی ہے اور تجربہ بھی کہ ابر رحمت جب برستا ہے تو بلند و پست اور سرو سنجر ہموار و ناہموار سب ہی مقامات کو سیراب کر دیتا ہے اسی طرح اس عالی نسبت غوث زماں علیہ الرحمہ کے چشمہا فیوض و فضل سے قریب و دور، ہند و بیرون ہند ممالک عرب وغیرہ کے جن و انسان سبھی فیضیاب ہوئے مگر ...... دوستو! سوال یہ ہے کہ آج اس دور میں کتنی ایسی ہستیاں ہیں جو قدرت کے اس نادر عطیہ سے واقفیت تو بڑی شے ہے نام آشنا بھی ہیں؟ جاننے والے بھی اگر جانتے تھے تو اتنا ہی جتنا اوپر مسطور ہوا۔ افسوس کہ وہ بھی اب شاذ و نادر موجود ہیں۔

کتب مطبوعہ آستانۂ فضل رحمانی کے شیدائیوں نے کمالات رحمانی۔ ارشاد رحمانی وغیرہ نیز نواب نور الحسن خاں صاحب بھوپالی نے مختلف رسائل لطیف عنوان کے ساتھ افادہ عوام و خواص کیلئے شائع کئے۔ ان سے گو ایک حد تک استفادہ کیا گیا لیکن چشم ناظر جسکی متلاشی تھی وہ بات جیسی جب تھی ویسی ہی ادھوری اسوقت بھی رہی ہاں ناشرین کے داغ مفارقت کے بعد رہا سہا ذخیرہ روز بروز معدوم ہوتا چلا گیا تو جو تھوڑی بہت واقفیت پیدا ہوئی تھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ وہ بیش یہ کتب جن کو مرتب کیا گیا یا تو ایسا سفرنامہ ہیں جس کو مرتب نے دوران حاضری میں سمعاً و نقلاً جمع کیا یا پھر ایک ایسی نقل ہیں جس کی سب برابر نقل کرتے آئے با این ہمہ طالب جس کا متجسس اور بے تاب جذبہ عقیدت جسکا پیاسا تھا وہ ہنوز کوسوں دور۔ یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے والے آج بھی اس کے مُستفسر کہ غوث زماں حضرت قبلہ گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ کے آباء و اجداد کون تھے وطن کہاں تھا یہاں کس طرح آئے وغیرہ وغیرہ سو کمیش جو کہ الف آج مروّج ہیں ان میں باوجود احتیاط غلط روایتوں کی افراط بھی موجود ہے۔ وجہ یہی ہے کہ جو واقعہ جس طور سے زبان زد ہوا وہ اسی طور سے مشہور ہوتا رہا۔ کوئی ایسی کتاب تو تھی نہیں جس سے کسوٹی و صحت کا کام لیا جا سکے۔ مریدین کے اصرار و استفسار کے علاوہ دراصل یہی چیزیں مجھے اس امر پر ابھارنے والی ہوئیں اور بالآخر چٹکیاں لینے لگیں۔ گو خوشنما الفاظ میں آپ اسے وجہ تصنیف بھی کہہ سکتے ہیں مگر یہ مرا تنا آسان نہ تھا جتنا بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا پھر اس کا مصنف اگر کوئی معتقد ہوتا جب بھی اسے یہ مشکل در پیش ہوتی جو درحقیقت مجھے لاحق ہوئی کہ دادا کی سوانح عمری اور پوتے کے قلم سے۔ لاکھ میں احتیاط برتوں مگر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کو بڑھا کر بیان تو نہیں کیا گیا۔

ازالۂ شک یہ ضرور ہے کہ میرا یہ قلم اٹھانا اپنے آباء و اجداد کرام رحمہم اللہ کے مناقب پر ہے لیکن یہ مناقب خود ایسے ہیں کہ ناظر سے یہ اقرار کیے بغیر رہ نہیں سکتے کہ تاریخ و قدرت کی حقیقت اس سے کہیں زائد رفیع ہے تو مجھے زور قلم دکھلانے کا خیال ہی عبث ہو جاتا ہے غور فرمایئے کہ اگر مشک کی تشریح خوبی کی جائے تو کسی طرح بھی یہ مشک کی مدحت سرائی نہیں ہو سکتی بلکہ ہر سطحی نظر رکھنے والا بھی اسے حقیقت اصلی کا اظہار ہی

کہنے پر مجبور ہوگا تو سوال حاشیہ آرائی پیدا ہو ہی نہ سکے گا۔

تائید فضل رحمانی

خدا کا شکر ہے کہ مجھے والد ماجد صاحب سجادہ مدظلہ کی صحیح تربیت نے تحریر و کتابت کا اوائل سے ہی شائق بنا دیا تھا چنانچہ شوق نے تو اس جذبہ کو خوش آمدید کہا مگر اس بار گراں بار کے سنبھالنے میں از حد میں سرگرداں رہا۔ بالآخر تائید فضل رحمانی نے میری ہمنوائی کی اور ایک دن مزار مقدس کی الماریوں میں مجھے کچھ اوراق پارینہ ملے۔ مولوی احمد صاحب ملی مرحوم جو مکہ معظمہ سے بغرض حصول درس حدیث خدمت بابرکت میں حاضر آئے اور آٹھ برس فائز خدمت رہے تھے نے ان اوراق میں اصول روایت و درایت کے مطابق مع وقت و مقام جو دوران حاضری میں بزبان فیض ترجمان علیہ الرحمہ سنا زبان عربی میں جمع کیا۔ مگر انتہائی افسوس ہے کہ جو پرچے مجھے ملے وہ بہت ہی منتشر شکل میں جس کا نصف سے زائد حصہ نذر لاپرواہی ہو چکا تھا۔ بہرحال میں اسی پر شکر ربی کرتا ہوا بالخدمت قبلہ گاہی صاحب سجادہ مدفیضہ حاضر آیا اور امداد چاہی اولاً تو ممدوح نے اس امر سے باز رہنے کی تلقین مع نشیب و فراز فرمائی مگر رفتہ رفتہ میرے خاموش تقاضوں مؤدبانہ التجاؤں نے حضرت موصوف کو بھی بحمد اللہ تعالیٰ میری امداد پر مائل کر دیا چنانچہ ناسازی مزاج و شکایت مرض گٹھیا کی ناگوار علالت کے باوجود بھی بس از جستجو کچھ دیگر ملفوظات اور بہت سے کوائف صدوری و زبانی و تحریری مرحمت فرمائے اور بہ نظر احتیاط و استناد خرابی صحت کے باوجود نظر ثانی مسودہ و تصحیح روایات سے سرفرازی بخشی نیز احمد ملی صاحب کے جمع کردہ ملفوظات کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خود اپنے اندوختہ مسودہ کو بوقت فرصت قیوم دوراں حضرت مولانا شاہ احمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کو سنایا کرتے اور کبھی حضرت ممدوح خود طلب فرما کر مسودہ ملاحظہ فرمایا کرتے۔

سوانح طیبہ

مجھے خود یہ کمی بری طرح محسوس ہوئی کہ جد امجد قبلہ علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کو صرف موصوف سے شروع کرنا تو پیاسے کو پیاسا رکھنے کے مترادف ہے تاوقتیکہ یہ ابتداء اول سے نہ اٹھائی جائے اور اب بحمد اللہ یہ اوراق اس قابل ہیں کہ آپ کو بتا سکیں کہ یہ کس گلشن کا پھول ہے اور ہندوستان کو کس طرح اپنی مہک سے معطر کرنے آیا۔ بایں ہمہ یہ میرا دعویٰ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں نے ایک سوانح نگار کی حیثیت سے سوانح نگاری کے پورے فرائض ادا کر دیئے ہیں آپ کو جیسا بھی معلوم ہو یہ آپ کی قدردانی ہے ہاں میں نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ جو موجودہ تشنگی ارباب عقیدت میں موجود ہے ایک طرف اگر یہ دور ہو تو دوسری طرف وہ خلش جس کیلئے آئے دن مریدین کو ان واقعات کی فکر صحت ستائے رکھتی تھی ایسے مستند کوائف ہدیہ نظر کرتے ہوئے کافور کر دوں جن پر رحمت اللہ کی صیقل اور نعمت اللہ کی جلا ہو۔ فالشکر اللہ العلی۔

فرض ناظرین

یہ ناقابل انکار حقیقت غیر مسلم مورخین کو بھی مسلم ہے کہ بزرگان دین کے کوائف و ملفوظات کے مطالعہ سے کسب خیر کا جذبہ سرد متلاطم ہو جاتا ہے۔ ایمان اسے لبیک کہتا ہے اور عقیدت اسکی پروانہ بن جاتی ہے یہی وہ چیز تھی جسے لوگ اپنا مطمح نظر بنا کر ثواب دارین حاصل کرتے

اور اپنے اخلاف کو بھی بچپن سے یہ واقعات اصلاحاً سنا کر اپنی روش کا پابند بنا لیتے تھے یہ لازمی ہے کہ اقوال صوفیا و ملفوظات اولیاء کا بحسن عقیدت مطالعہ کیا جائے تاکہ اس سے فیوض و برکات حاصل ہوں ورنہ انکار تو راہ فیض مسدود کر دیتا ہے۔ پس اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ قائم رہ کر از اول تا آخر منظر عام پر آجائے تو آپ کا اول فریضہ یہ ہے کہ جو ملفوظات آپ کے علم میں ہوں آپ پریا آپ کے احباب پر بیتے ہوں اصالتاً و روایتاً لفظ بہ لفظ بعینہٖ تحریری شکل میں مجھے ارسال کرتے رہیں۔ تاکہ جو واقعہ جس جگہ جگہ کے مناسب ہو میں وہاں ترتیب دیکر اس مجموعہ کو پھر آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہ ظاہر ہے کہ مجھے قبلہ جدِ مکرم علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کے بعد حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب قدس سرہٗ کے کوائف مرتب کرکے ہدیۂ نظر ابھی کرنا ہے اسی پر بس نہیں بلکہ بعد ازاں دور ما بعد پر بھی باستعانۃ الرحمن قلم اٹھانا ہے پس ایسے نادر مجموعوں میں اگر میں اپنی خاندانی و صدوری معلومات ہی پیش کروں تو یقینی وہ مجموعہ آپ کی تشنگی دور نہ کر سکے گا ہاں یہ کمی اس وقت باقی نہیں رہ سکتی جب آپ اپنی معلومات کی ترسیل میں بسنا دامن معاونت پوری طرح وسیع کر دیں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرے صندوق سینہ میں جو محفوظ ہے وہ آپ کی امانت ہے جب چاہیں آپ اپنی چیز لے سکتے ہیں اب یہ آپ کی خوشی کہ اس کے حصول کے لئے جیسی راہ چاہیں اختیار فرمائیں۔ اچھا تو یہ تھا کہ میری اول فرصت میں آپ کی امانت آپ تک پہنچ جائے ورنہ کیا معلوم کہ کس کا پروانہ کب آجائے اور یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں یہ بھی آپ کا اول فریضہ ہے کہ جن حضرات کے پاس کتاب فضل رحمانی پہنچتی جائے وہ کتب سابقہ کی روایات میں فرق پائیں پر اسی کے موافق صحت کرلیں کیونکہ اگر ہم صحت روایات کا التزام کرتے ہیں تو یہ سوانح حیات پھر یوں ہی رہ جائے گی اور دوسری چیز طیار ہوگی۔

اشارات

اسمائے گرامی کی بالاختصار ذکر بار بار میں چونکہ شائبۂ تنقیص تھا اس لئے ان اشارات پر اکتفا کی جاتی ہے حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا کمال انکسار صرف اسی ایک واقعہ سے اظہر ہے کہ آپ نے کبھی کسی حاضر و زائر کو اپنے لئے القاب حمیدہ سے یاد کرنے کی نوبت نہ آنے دی۔ کسی نے خط کتابت میں لکھ بھی دیا تو آپ سخت گرفت فرمائی اسی وجہ سے عوام و خواص بابا یا مولانا بابا کے خطاب سے آپ کو یاد کرتے خود حضرت موصوف علیہ الرحمہ خط کتابت میں از فضل رحمٰن سلام علیک پر اکثر و بیشتر اکتفا کرتے شاذ و نادر اپنے قلم سے مولوی فضل رحمٰن لکھا ہو ورنہ یہ بھی نہیں۔ اسی کا نمونہ حضرت قیوم دوراں مولانا شاہ احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ تھے بے شک محمد فتح کی کسی تحریر میں مولوی احمد میاں کبھی مسطور نہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ آپ کو صرف میاں کے خطاب سے یاد کرتے۔ آپ کے اجداد کرام میں بھی یہی دستور رہا اور ہمارے مخدوم مصباح العاشقین قبلہ ملانوی بھی صرف شیخ محمد یا مصباح العاشقین پر جو کہ خطاب منجانب اللہ آپ کا تھا اکتفا فرماتے۔ اسی طرح محبوب حبیب الخلاق حضرت خواجہ شاہ

محمد آفاق صاحب قبلہ دہلوی علیہ الرحمہ کا بھی یہی معمول تھا۔ اپنے آپ کو فقیر محمد آفاق محمدی تحریر فرماتے۔ اسی بنا پر ہم نے اشارات میں بھی اس احتیاط کو مدنظر رکھا۔

مخدوم صاحب۔ سراج زمرۂ عارفین قطب الاقطاب مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی ملانوی قدس سرہٗ۔

حضرت مرشد۔ قطب الاقطاب غوثیت مآب محبوب حبیب الخلاق خواجہ خواجگان سیدنا شاہ محمد آفاق صاحب قبلہ قدس سرہٗ۔

مولانا بابا۔ سند المتورعین امام المجددین غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ نوراللہ مرقدہٗ

دادا میاں۔ قیوم دوراں حضرت قبلہ سیدنا و مولانا شاہ احمد میاں صاحب نوراللہ مضجعہٗ۔

واللہ الموفق الی سواء السبیل وکان اللہ لی ومعی و بی معینا وھو حسبی ونعم الوکیل

آپ کا

بھولے میاں

پہلا باب

احتیاج سیر

قرآن کریم پر اگر ہم ذرا بھی فکر کریں تو سب سے پہلے ہماری نظر زیر بحث موضوع پر اس آیت شریف پر پڑتی ہی فاقصص القصص لعلھم یتفکرون۔ معلوم ہوتا ہی کہ منشائے الٰہی بیان قصص سے یہ ہی کہ سابقہ انبیا اور خاصان حق کے شمائل زندگی اطوار و طریقے لوگوں کے لئے واضح کردے تاکہ لوگ ان سے تفکر حاصل کریں سبق سیکھیں عمل پیرا ہوں۔ بار بار قرآن میں درس تذکو اسی لئے دہرایا جاتا ہی کہ جس سے ہم یہ سمجھ کر کہ یہ صلحاء و ابرار زندہ سر چشمۂ نورانیت ہیں پس ہم بھی ان سے حصول فیض و کسب ضیا کرکے اپنی زندگی سنواریں۔ کہیں پر حضرت زکریا علیہ السلام کی کثرت عبادت و دعا کا درس دیکر تلقین کی جاتی ہی کہیں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی باشوکت و ہمہ گیر بادشاہی کے باوجود بے نیازی کی شان دکھائی جاتی ہی اور ایک گوشت کا لوتھڑا انشاء اللہ کے بھولے کرسی پر ڈالدیا جاتا ہی۔ کہیں پر حضرت داؤد کی منصفانہ روش سمجھائی جاتی ہی کہیں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہی عام نظر کا لے ایک حسن و عشق کی داستان لطیف سمجھنا اس لئے جائز ہی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو احسن القصص کا خطاب عطا فرماتا ہی۔ اس سے خود واضح ہی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دور وہ تھا کہ ایک طرف وہ خود انتہائے بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ دوسری طرف عناد و مخالفت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمند رہے نفس سرکش کے بہک جانے کا سارا سامان موجود ہی۔ راحت کا تقاضا کچھ اور ہی جوانی جوش جذبات کا

امنڈتا ہوا سیلاب ہے حسن پوری جولانیوں سے دنیائے عشق کو مسحور کئے ہے کس قدر نازک حالات ہیں مگر پھر بھی آپ نے اپنا اخلاق اس طرح قائم رکھا جسکی مثال نہیں سکون و عیش کی دنیا کو ٹھکرادیا مگر برائی پر نظر بھی نہ ڈالی حسن و دولت پر اس طرح لاحول پڑھی کہ قید و بند کی سختیاں گوارا کرلیں مگر امین کی امانت میں خیانت نہ کی۔ اور نہ جذبات کی رو میں خود کو بہنے دیا۔ ان مشکلات میں ہمت و استقلال سے کام لے کر جذبات کو اپنے ہی ماتحت رکھ کر ایک بے مثال درس اخلاق و اتباع و تقوی پیش فرمایا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اصول کی پابندی مصائب کی برداشت پریشانی جانکاہ میں نہ گھبرانا نہ اپنا فرض چھوڑنا دشمن سے حسن سلوک خشیت الٰہی اتباع خداوندی نیز حسن لیاقت سے بلند مرتبہ پر پہنچنے کے موثر درس عمل قصۂ یوسف علیہ السلام میں نہیں۔ قصۂ طالوت و جالوت لیجئے سیرت طالوت ہم کو سبق دیتی ہے کہ افسر فوج اگر لائق خدا پر بھروسہ کرنے اور جذبات کی رو میں نہ بہہ جانے والا ہے تو یہ مستقل مزاجی برداشت مصائب قدرت جذبات و توکل خداوندی وہ قوتیں ہیں جو کثیر تعداد پر اقلیت کو بتائید ایزدی مفتوح کرتی ہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے تو ثابت ہے کہ امیر لشکر کیلئے خدا پرستی جسمانی قوت و لیاقت ہی تاج سرداری ہے مول کی یہاں کوئی وقعت ہی نہیں۔ اسی طرح دوسرے قصص ہیں بنا بریں قرآن کریم نے اس یادگار کا بہترین طریقہ ہماری شبانہ روز کی پنج وقتہ عبادتوں میں یوں مقرر فرمایا ہے کہ برابر اسکی دعا و التجا ہم کرتے رہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تاکہ اس سے ہمارا وہ جذبہ ارتقا و رفعت جوش زن رہے اور بہ توفیق ایزدی ہم میں ایک بے پناہ خواہش غیر محدود و جذبہ انعام یافتہ بننے کا موج زن رہ سکے۔ دوسری مثال اگر ہم اپنے دور پر نظر ڈالیں تو ہم کو اکثر فضلائے وقت کے مجسمے عام راہوں پر نصب نظر آتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ایسے مجسمے دیکھ کر ہمارے قلب میں کوئی تحریک نہ پیدا ہو۔ وجہ نصب بھی ہماری نظر میں صرف یہ ہے کہ انسان ان کی زندگی سے سبق لے اور خود رفعت و ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی کوشش کرے چنانچہ جن چیزوں کے حصول کی انسان آرزو کرتا ہے وہ عقل علم ذہانت لیاقت روحانیت وغیرہ ہیں۔ یہ چیزیں خصوصیت سے ہم کو ان انعام یافتہ صلحاء و ابرار کی سیرت میں پورے طور پر ملتی ہیں۔ اخلاقی جوہر سے آراستگی شجاعت و دلیری فیاضی و سیر چشمی غربا نوازی و غنائے نفسی خدمت خلق و اعزاز و جاہ و فقر و توکل وغیرہ کوئی بھی ایسی سعادت نہیں جو ہم کو سیرت اولیاء میں نہ ملتی ہو اور ہماری زندگی کو زندگی اور ہم کو مکمل انسان نہ بنا دینے والی ہو۔ ماننا پڑتا ہے کہ مطالعہ سیرت ہمارے کیرکٹر پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے جس سے خود ہم پر یہ روشن ہوجاتا ہے کہ ہمارا ہی جیسا انسان کیسے ناموافق و ناسازگار دور میں اٹھ کر مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرکے فرش تنزل سے عرش ترقی پر پہنچ جاتا ہے ہمیں صبر و تحمل عمل محنت عزم محکم استقلال و خدا پرستی کی انمول تعلیم مل جاتی ہے اور ہم میں حصول خیر و رفعت ترقی و خدا ترسی کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا اور منزل

سامنے نظر آنے لگتی ہے سیرت اولیا کی کتابیں ہم کو بتاتی ہیں کہ ایک بے حیثیت و بے مایہ آدمی جب خود داری و اعتماد نفسی و توکل خداوندی سے کام لیتا ہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ خود ایسا اچھوتا درس ہے جس سے واضح ہے کہ ہمت و استقلال و توکل الٰہی سے کام لیا جائے تو راہ کی مشکلات خود ساحل مقصد بن جاتی ہیں اسی پر اولیائے کرام نے عمل کیا اور ہم کو مصائب پر فتح پانے اور بلندیوں پر فائز ہونے کے لازوال نمونہ پیش کئے انمول درس دئے۔

فرق علم و عمل تجربہ ہے کہ انسان بلند پایہ ہستیوں و اعلیٰ شخصیتوں کی گفتار و رفتار و عمل سے وہ سب ایسی آسانی سے حاصل کر لیتا ہے جو صرف علم سے نہیں سیکھ پاتا۔ دیکھئے اس اصول کے حامی ماہرین یورپ بھی ہیں مسٹر بیکن بھی مانتے ہیں کہ "علم سے عمل نہیں آتا ملکہ علم کو عمل میں لانا تحصیل علم سے بھی بڑھ کر ہے اس کا تجربہ و مشاہدہ انسان کی زندگی کو درست کرتا اور اس کے سیکھے ہوئے علم کو عمل میں لاتا ہے" مسٹر یعقوب کار لائل قائل ہیں کہ "بڑے آدمیوں (صلحاء) کی زندگی ایک زندہ سرچشمہ روشنی ہے جس سے بنی نوع انسان کو نورانیت حاصل ہوتی ہے" تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسان کو انسان کامل بنانے والی چیز اگر دنیا میں کوئی ہے تو عمل۔ ان اولیائے کرام کی زندگی عمل کا مرقع ہوتی ہے انہیں کی زندگی وہ چیز ہے جو زبردست انقلاب تخیلات انسانی میں پیدا کرتی ہے جس سے انسان کچھ کا کچھ چشم زدن میں بن جاتا ہے۔

حقیقت علم سچ ہے کہ انسان بغیر علم کے حقیقت دین و ایمان پا ہی نہیں سکتا۔ بہ نسبت اور مذاہب کے جن میں اکتساب علم ہمیشہ ایک جماعت پر محدود رہا کسی مذہب نے اسلام کے سوا تحصیل علم ہر مرد و زن پر فرض نہیں کی۔ بیشک اسے عالمگیر اہمیت دینے کا سہرا صرف اسلام کے سر ہے یہ محض اس بنا پر کہ خداشناسی و خوف الٰہی بلا علم آ سکتی ہے نہ حلاوت ایمانی و حقیقت دینی ہی مل سکتی ہے بھلا ایسے زرین اصول کو اسلام کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ جی ہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ بعض اولیا ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے کسی مدرسہ و مکتب میں علم ظاہری حاصل نہیں کیا؟ لیکن غور کیجئے تو ماننا پڑیگا کہ کوئی ولی اللہ بے علم رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ظاہری طور سے تحصیل علم نہ ہونے کے معنے یہ ہرگز نہیں کہ وہ صاحبان باطن مکتب لوح و قلم کے بھی تلامذہ نہ ہوں۔ ایسی یہ نکتہ خود واضح ہو جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کی قدردانی ان کی لیاقت علمی کی بنا پر نہ تھی ملکہ اس علم کو عمل میں لا کر کتاب و سنت کی پابندی ان کی ہمہ گیر مقبولیت کی مدعی بن جاتی تھی۔

چنانچہ حضرت غوث زماں حضرت مولانا قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ہجوم علما رہا کرتا آپکے عمل کا یہ عالم تھا کہ فرائض و سنن تو ہوتے ہی مگر مستحبات بھی نہ چھوٹ پاتے اور جلیل القدر علماء پروانہ بے رہتے۔ عمل کی کسوٹی پر سب کی جانچ ہوتی اور اسی پر تنبیہ۔ حضرت ممدوح اکثر فرمایا بھی کرتے کہ اتباع سنت ہی قطبیت و غوثیت ہے۔ بیشک اتباع سنت سے صفات و حسنات قول و عمل و حسن اخلاق کے جو انسانی جوہر کمال ہم پر آشکارا ہوتے اسی سے ہم مسحور و مسخر ہو کر دل نذر عقیدت

کر بیٹھتے ہیں۔ یہ وہ بابرکت ذاتیں ہیں کہ ہزاروں کاوٹوں پر بھی کتاب و سنت سے انحراف کا خیال بھی
نہیں لاتے یہ ہر مصیبت کو جھیلتے ہیں لیکن کرتے وہی ہیں جو حق ہوتا ہی اور خدا و رسول کے معاملے میں کیسی
بڑی طاقت سے بھی خوف نہیں کھاتے طمع دنیاوی ان کا عملی قدم صراط مستقیم سے ڈگمگانے کی قوت
نہیں رکھتی۔

حقیقت سرور

کیا آج دنیا میں کوئی ایسا ہی جسکو حقیقی سرور حاصل ہو؟ مطلق نہیں۔ تجربہ شاہد ہی
کہ امیر غریب کی زندگی پر غریب امیر پر شاہ گدا پر گدا شاہ پر حسرت سے رشک
کر رہا ہی کیوں؟ محض اس لئے کہ عیش یا سرور جس فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں یہ جتنا بلند ہوتا
ہی انسان اسی کا عادی ہوتا جاتا ہی بس یہ بلندی عام چیز بن جاتی ہو جس کی چند روز بعد کوئی وقعت
رہ جاتی ہی نہ اہمیت ایک افسر کو خواہش ہوتی ہی کہ وہ افسر اعلیٰ بنے اس درجہ پر پہنچا تو خواہش وزارت
ستانے لگی جب وزارت ملی تو شاہی کی آرزو نے دق کیا جب شاہی مل گئی تو اہمیت مٹ گئی۔
دل میں ارمان چٹکیاں لینے لگا کہ خوش جمال سے ہم آغوشی ہو جب وہ حاصل ہو گئی تو یہ معلوم ہوا کہ ایک چبھی
ہوئی پھانس نکل گئی۔ اب دوسری آرزوؤں نے گھیرا غور کیا آپنے یہ آرزو ہی حقیقی تکلیف ہی۔ جتنا اس
کا اسیر ہوگا اتنی ہی یہ آگ بھڑکے گی جتنی بے توجہی برتی جائیگی اتنی ہی یہ مٹتی جائیگی اس فلسفہ کو اگر
سمجھا ہی تو خاصان خدا نے۔ وہ اسپر کاربند ہوتے ہیں اور ان کا عمل لَاعَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ
پر عمل کرتا ہی عیش اگر ہی تو صرف یہ کہ انسان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں طبیعت میں قناعت ہو
اور شکر الٰہی ادا ہوتا رہے ذرا بھی غور کیجئے تو یہ حقیقت خود بے نقاب ہو جاتی ہی کہ جب جسم فانی ہی تو
اس کا عیش و سرور بھی فانی ہوگا۔ جب جسم کو بقا نہیں تو عیش کیسے باقی رہ سکتا ہی ظاہر ہی کہ روح فانی
نہیں اسی لئے اس کے عیش بھی مستقل ہیں قاعدہ ہی کہ مادی چیز ہی سے مادیت کا اندازہ ہو سکتا ہی مگر یہاں
معاملہ برعکس ہی کیونکہ روح لطیف ترین شئے اور امر ربی ہی اسی لئے اس کا ادراک حقیقت بھی فہم
انسانی سے بالاتر ہی پس عیش روحانی اصل عیش ہی اسی لئے اولیائے کرام اس روحانی عیش کو حاصل کرتے
ہیں جس کے سامنے دنیاوی عیش کی کوئی حقیقت ہی نہ اہمیت۔ ضروری ہی کہ اس جگہ ہم کچھ اور اصطلاحات
تصوف پر بھی روشنی ڈال دیں تاکہ سہولت ہو۔

قرب الٰہی

خدائے قدوس نے قرب الٰہی کی جو راہ مقرر کی ہی اس کے چار حصے ہیں۔ کاملین کو ہر ایک
حصہ طے کرنا واجب ہی (۱) شریعت (۲) طریقت (۳) حقیقت (۴) معرفت۔

شریعت

خدا اور اس کے رسول و حبیب صلی اللہ علیہ وسلم و جملہ انبیا و ملائکہ و حشر و نشر و قدر
پر ایمان لانا پھر کتاب و سنت کے اوامر و نواہی پر پابندی سے عمل کرنا شریعت ہی۔

طریقت

روحانی و باطنی عبادت و قلبی زہد کی راہ کو کہتے ہیں۔ جب شریعت پر کامل عمل درآمد
ہو جاتا ہی وہیں سے ابتدائے طریقت ہی پھر باطنی حالات کا علم اور روحانی و قلبی

لذتوں و عبادتوں کا دور ہوتا ہے جس طرح شریعت کا سبق حاصل کرنے کیلئے استاد کامل کی جو فقہ تفسیر و حدیث وغیرہ کا ماہر ہو ضرورت ہوتی ہے اسی طرح طریقت میں مرشد کامل کی احتیاج ہوتی ہے جو تعلیم باطنی و قلبی و روحانی اشغال و اذکار سکھاتا ہے۔

حقیقت جب سالک طریقت میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو ابتدائے حقیقت شروع ہوتی ہے حقیقت وہ منزل ہے جس میں سالک ہر عالم و ہر چیز کی اصلیت و حقیقت و ماہیت دیدۂ دل سے اس طرح مشاہدہ کرے کہ شبہ تحقیق ہی نہ ہو۔

معرفت جب ہر عالم کا مشاہدہ صحیح ہو جاتا ہے تو ابتدائے منزل معرفت کا آغاز ہوتا ہے پس معرفت وہ منزل ہے کہ جہاں سالک پہنچکر خدا کی وہ معرفت کامل حاصل کرتا ہے جو یقین و مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ یعنی طالب، مطلوب بے حجاب ہوتے ہیں۔ حاضری دی کہ مطلوب حقیقی سامنے ہے۔ کھڑے ہوئے کہ وہ سامنے ہیں۔ بیداری ہو کہ نوم مشاہدہ ہو رہا ہے گو بظاہر یہ قدرت انسانی کے خلاف ہے مگر توفیق الٰہی آسان ہے یہی تو وہ معرفت کاملہ ہے کہ ملائکہ مقربین کو بھی یہ عرفانِ حقیقی حاصل نہیں بلکہ خاص انسان کے لئے ودیعت الٰہی ہے جو وجہ افضلیت ہے۔

یقین ارشاد رب العزت ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ خدا کی اس قدر عبادت کرو کہ تم کو یقین آ جائے۔ درجات یقین کی تفصیل خود سورۂ تکاثر میں موجود ہے۔ فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی اللہ تصورات سے اور عرفان و یقین سے متعلق علم الیقین۔ حق الیقین۔ عین الیقین درجات ہیں۔

علم الیقین خدائے تعالیٰ کی موجودگی اور اسکی عظمت و جلالت کا ایسا نقش قائم ہو کہ مجال شک ہی نہ رہے علم الیقین ہے اس میں اگر کمی ہے تو نور ایمان نہیں اگر بالکل اس کا علم نہیں تو جہل الیقین ہے اور کافر ہے۔ یہ منزل غور و فکر و استدلال سے حاصل ہوتی ہے۔

حق الیقین ذات باری تعالیٰ اور اسکی صفات ازلی و ابدی و اسرار ظاہری و باطنی کا ایسا مکاشفہ و عینی مشاہدہ کہ عدم واقفیت کا شبہ بھی نہ رہے تو حق الیقین ہے بغیر سلوک طریقت حق الیقین کا حصول ناممکن ہے اس منزل میں سالک پر بعطائے ربی سب کچھ بالکل مکشوف ہو جاتا ہے

عین الیقین خدائے قدوس کی ذات کا معائنہ و مشاہدہ بالذات حاصل ہونے کو عین الیقین کہتے ہیں یہی معرفت واجب الوجود اور تمامی ریاضات کا حاصل و مقصود ہے۔

اس اعتبار سے علم الیقین کو شریعت حق الیقین کو طریقت و عین الیقین کو حقیقت و معرفت بھی کہتے ہیں مگر حق الیقین و عین الیقین خاصۂ خاصان خدا ہیں جس کی شرط لابدی سلوک ہے۔ عین الیقین یا معرفت وہ درجۂ عالی ہے کہ شاہد و مشہود میں کوئی حجاب نہیں رہتا۔

فنا فی الشیخ وہ مقام ہے کہ مبتدی مرید سب سے پہلے تصور شیخ کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو اس قدر

نیست کردے کہ ہر شئے میں مرشد کو دیکھے فنافی الشیخ کے مقام میں اگر شیخ کے متعلق ذرا سا بھی وسوسہ پیدا ہو جائے تو سخت گمراہ ہو جائیگا۔ اس لئے بڑی احتیاط چاہئے اسی طرح اگر شیخ میں مبادا کوئی بدنیتی پیدا ہو جائے تو پھر یہ مقام طے ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض کاملین ایسے بھی ہیں کہ وہ مرید کو یکدم فنافی الرسول میں پہنچا دیتے ہیں۔

فنافی الرسول وہ مقام ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کچھ نظر نہ آئے فنافی الرسول کے مقام میں فنافی الشیخ جیسے خطرات نہیں اگر اس منزل میں شیخ فوت بھی ہو جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنبھال لیتے ہیں۔ اگر خود سالک اس مقام میں فوت ہو جائے جب بھی عنت وصول اور قربت رسول حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر سالک سے کوئی لغزش بھی اس مقام میں ہو جائے جب بھی توجہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سدھر جاتا ہے۔

فنافی اللہ یہ وہ مقام ہے کہ سوائے اللہ جل جلالہٗ کے اور کچھ نظر نہ آئے۔ فنائیت کا یہ مقام آخری منزل کمال ہے یہاں وہ خطرے سے عموماً سابقہ ہوتا ہے اگر کسی مقام پر حیرت ہوتی ہے تو سلوک جذب سے بدل جاتا ہے اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ وہمیش خود سالک زبان سے اگر کچھ اسرار کہہ دیتا ہے تو درمیان میں حجاب ہو کر مشاہدات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے سخت احتیاط شرط ہے۔ تفصیل بالا سے واضح ہے کہ یقین میں ترقی باطن اصل اصول ہے جو پیر کامل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے پیر کا ہونا لازمی ہے۔ مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم الخ اسی کی تعلیم دے رہا ہے۔

حقیقت ذکر اس وضاحت کے بعد تعلیمات کے بھی بعض امور گوش گزار کرتا ہوں۔ ذکر کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ذکر زبان۔ ذکر قلب۔ ذکر روح۔ جب تک سالک عالم ناسوت میں ہے ذکر زبان ہوگا یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جب عالم ناسوت طے کرکے سالک عالم ملکوت میں گامزن ہوا تو ذکر قلب ہوگا۔ جو اللہ ہے۔ اور جب سالک عالم ملکوت سے گذر کر عالم جبروت میں آیا تو ذکر روح یعنی ھو شروع ہوا۔ عالم ملکوت سے گذر کر جب عالم لاہوت میں آیا تو ذکر ہر آنا کا آغاز ہوا۔ یہ وہ عالم ہے جہاں عبادات و اشارات ختم ہیں۔

فلسفہ نماز نماز کی بھی تین اقسام ہیں اوّل نماز عام یعنی خالق جل وعلا کی بندگی اس یقین کے ساتھ کرنا کہ خدا نمازی کے احوال ظاہری و باطنی کو دیکھ رہا ہے۔ دوسرے نماز خاص۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرنا کہ نمازی خود حق سبحانہ کا مشاہدہ کر رہا ہے حدیث جبرئیل میں شارع علیہ السلام نے ان دونوں اقسام کی پوری وضاحت کر دی ہے۔ تیسری قسم نماز اخص الخاص ہے یعنی مشاہدہ جمال میں ایسا مستغرق ہو کہ تن بدن کا ہوش نہ رہے چونکہ نماز ہی ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں تسبیح و تحمید قرآن و درود مراقبہ و حضوری وہ سب کچھ ہے اسی لئے اسکو معراج المؤمنین فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ نمازی تمام گناہوں و

برائیوں سے روکتی ہے۔ عام طور سے ظاہری پاکی کا ہم نماز میں تو التزام رکھتے ہیں لیکن حقیقت پر غور نہیں کرتے جس کے سبب برائیوں سے باز رہ نہیں پاتے۔ ضروری ہے کہ ہم طہارت ظاہری کے ساتھ ان باطنی نجاستوں کی طرف بھی پوری توجہ کریں۔ جو روح کو غلاظت اور دل کو نجاست سے صاف و پاک نہیں ہونے دیتی ہیں کیونکہ عبادت کا تعلق اصلی تو باطن سے ہے جس طرح روح لطیف اسی طرح انوار بھی لطیف ہیں تو لطیف کا گذر بھی لطیف پر ہوگا۔ جب باطنی غلاظتوں و نجاستوں سے بھی پاکی و اجتناب کیا جاتا ہے تو نزول انوار سے روح متاثر ہوتی ہے روح سے قلب متاثر ہوتا ہے قلبی تاثر کے بعد اعضاء و جوارح بھی سرشار ہوتے ہیں یہی تو اصلی لطف کیف و سرور ہے اور نماز کا مقصد اوّل۔

شکر انسان اگر شکر پر کاربند ہے تو یہ ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے جس کی اہمیت نظروں میں برابر قائم رہتی ہے یہی وہ دولت ہے جس سے غفلت پاس نہیں پھٹکتی اسلام نے اسی فلسفہ کے ماتحت ہم کو مامور فرمایا وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم خدا کی عبادت کے دعوے میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرو۔ منعم حقیقی عم نوالہ کی نعمت کا پوری عاجزی و انکسار سے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے شکر ادا کرنا شکر ہے۔ شکر بھی کئی طور پر ہے دل کا شکر یہ ہے کہ اس میں بری باتوں کو جگہ نہ دے۔ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ برائیوں پر نظر نہ ڈالے۔ پاؤں کا شکر یہ ہے کہ بری جگہ نہ جائے ہاتھ کا شکر یہ ہے کہ ممنوعات کو مس نہ کرے زبان کا شکر یہ ہے کہ حق کہے اور حق ہی بتائے۔ رزق کا شکر یہ ہے کہ بھوکوں کو کھلائے فاقہ زدوں کو اپنے رزق میں شریک رکھے۔ دولت کا شکر یہ ہے کہ اپنی دولت سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچائے۔ شکر باللسان یہ ہے کہ انکساری و اعتراف نعمت منعم کرے شکر بالارکان یہ ہے کہ انسان کے سراپا سے وقار شکر ہویدا ہو۔ شکر بالقلب یہ ہے کہ حصول نعمت پر قرب احدیت کی طرف اور زائد ترقی کرے۔ مشاہدہ دیدار میں ترقی کرے۔ کما قال سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ۔

حامد وہ ڈوبی ہوئی ہستی جو محبت میں اتنی سرشار ہو کہ محرومی کو عطا سمجھے اور ضرر پہنچنے پر نفع مشاہدہ کرے حامد ہے

صبر صبر عام یہ ہے کہ قضاء و قدر الٰہی سے جو کبھی واقع ہو اس پر گھبرانے کے بجائے ہمت و استقلال سے ثابت قدم رہے حضور غوث الاعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صبر اللہ یہ ہے کہ منکرات و ممنوعات سے پرہیز اور اوامر پر پابند رہے صبر مع اللہ یہ ہے کہ عسرت و فاقہ سے گھبرا نہ جائے بلکہ افلاس و مصیبت پر یہ ظاہر ہو کہ وہ ہر طرح راحت میں ہے اور راضی بقضائے الٰہی ہے۔ صبر علی اللہ یہ ہے کہ بندہ تسلیم و رضا بن جائے کہ رضائے الٰہی بہر حال مقدم ہو۔

رضا قلب کو ہر حالت میں مطمئن رکھتے ہوئے قضاء و قدر الٰہی پر بہ طیب خاطر راضی رہنے کو رضا کہتے ہیں۔

تقویٰ اس کے کئی اقسام ہیں (۱) تقوائے ظاہری یہ ہے کہ وہی کیا جائے جن امور کی شرع نے اجازت دی ہو (۲) تقوائے باطنی یہ ہے کہ قلب میں کسی اور کا ماسوی اللہ گذر نہ ہو۔ (۳) تقوائے خاص یہ ہے کہ خود کو ہر قسم کی خواہشات نفسانی سے باز رکھے (۴) تقوائے اخص الخاص یہ ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہے

جس کا ارادہ کیا جا سکتا ہی ممنوعات ظاہری و باطنی میں۔ یہی کمال اتقا ہی (۵) تقوئے عام یہ ہی کہ مشتبہ اور محرمہ اشیاء سے گریز کلی ہو۔

زہد وہ ہی کہ فانی دنیا کی چیزوں ہی سے دل سرد ہو جائے۔

رجا خدائے قدوس کے ساتھ محض اخلاص کی بنا پر حسن ظن رکھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی اس حسن ظن میں نفع و ضرر کا شائبہ بھی نہ ہو۔

حیا اللہ تعالیٰ کو انتہائی مہربان آقائے حقیقی سمجھ کر گناہوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ سے شرماتے رہنا حیا ہی نہ یہ کہ خوف الٰہی سے ترک گنہ کر دینا کیونکہ حقیقی طور سے شرمندگی تو یہی ہی کہ ایسی بات ہی نہ ہو سکے جس سے شرمندگی اٹھانا پڑے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مشفق سے کوئی انسان شرمندہ احسان ہوتا ہی تو وہ جیتے جی اسی کو سراہا کرتا ہی اور اسکی سعی کرتا ہی کہ کوئی فروگذاشت مشفق کی رضا جوئی میں نہ رہ سکے بس خدائے کریم کے احسانات سے انسان کا عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں پھر خدائے رحمٰن و رحیم سے زائد کون ہمارا مہربان آقا ہی جس کی رضا جوئی مقدم نہ رکھیں اور شرمندہ احسان نہ رہیں۔

توبہ نادانی سے خطا سرزد ہو جانے پر فوراً توبہ کرنا افضل ہی۔ توبہ کا طلبہ یہ ہی کہ جس چیز سے انسان بخلوص دل تائب ہو پھر اس کے ارتکاب پر آمادہ ہی نہ ہو بلکہ اس کے تصور ہی سے ایک گونہ تنفر پیدا ہونے لگے۔ ارتکاب معاصی پر اصرار تو وہ بری لعنت ہی کہ قبول توبہ پھر مشکل ہو جاتا ہی۔ نیز گناہوں کا تصور بکثرت کرنے سے بھی انوار الٰہی کا فیضان بند ہو جاتا ہی۔ ایسے حالات میں استغفار و کثرت لاحول بہت نافع ہے۔

رشک درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہی۔ بس اگر کوئی شخص ایسے انسان پر رشک کریگا تو ظاہر ہی کہ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ اس شخص کے دل کی کیا حالت ہی دوسرے اس رشک کرنے والے کو پھر اپنی طرف سے بھی بے اطمینانی پیدا ہو گی تو لازمی کفران نعمت کا آغاز ہو گا اور جو نعمتیں خود اس کو حاصل ہیں اسکی قدر و منزلت بھی اس کے دل سے جاتی رہے گی تو شکر ہی نہ کس بات کا کر سکے گا یہی وجہ ہی کہ اس فلسفہ کو اور مذاہب نے اتنا نہ سمجھا جب گہری نظر سے اس کو اسلام نے سمجھ کر و لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ عام حکم دیا کہ تم اپنے سے بلند مرتبہ لوگوں کو دیکھ کر ان کی زندگی پر رشک کی نگاہ نہ ڈالو۔ تاکہ انسان کسی وقت شکر کی دولت کھو نہ سکے۔

سفر ظاہر باطن تصوف میں سفر دو قسم کے ہیں۔ اول سفر ظاہری۔ دوم سفر باطنی جس طرح عبادات ظاہری عبادات شرعیہ روزہ زکوٰۃ حج و نماز پنجگانہ کا نام ہے اسی طرح سفر ظاہری کرنے والا ان امور سے صرف ترکیبہ نفسی پر آ کر محتاج رہ جاتا ہی یعنی یہ مسافر ظاہری صنعت کو دیکھتا رہ جاتا ہی۔ سفر باطنی کرنے والا صفائے قلب و تخلیہ سر کا رہرو ہی وہ صانع کو دیکھا کرتا ہی جس طرح کہ عبادات باطنی ترقی روحانی و مشاہدہ کا زینہ ہی۔ ہمارے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ

عنہ فرماتے ہیں کہ سفر ظاہری عبادت سیر الی اللہ ہے اور سفر باطنی عبادت سیر فی اللہ ہے پس سفر حقیقی تو سفر باطنی ہی ہے۔

فقر و فاقہ

مسافر باطنی اس سمندر بے پایاں کو اس وقت تک طے نہیں کر سکتا جب تک فقر و فاقہ کا سفینہ نہ ہو۔ فقر سے مراد ہستی سے گذر کر ذات الٰہی میں اس طرح فنا ہونا کہ محبت الٰہی سے قلب استوار ہو اور ماسوی اللہ سے فارغ رہے۔ فاقہ سے مراد اختتام پندار دوئی و شہوات شکنی ہے ہاں اس راہ کا سب سے بڑا حجاب تعلق غیر خدا و خودی و پندار ہیں جسے فقر و فاقہ ہی بھسم کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام سب سے پہلے اس پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ تعلق مٹاتے ہیں فنا و محویت پیدا کر کے خودی و اس کا پندار کھو دیتے ہیں۔

اکل حلال

تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں خود دنیا پر بسیار خوری کے مضر اثرات منکشف ہو کر اکل حلال و کم خوراکی کے فوائد روشن ہو چکے ہیں تحقیقات جدیدہ اس حقیقت کو روشنی میں لے آئی ہے کہ نوعیت غذا کا اثر اخلاق انسانی پر بہت گہرا پڑتا ہے۔ ناجائز و مشتبہ آمدنی پر گذر کرنے والے لوگ خود غرض سخت دل اور بے عمل ہوا کرتے ہیں لیکن محنت و ایمانداری سے حاصل کئے ہوئے پیسہ سے کھانا و پینا انسان میں کام کی قوت نیکی و ایثار کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ مادیات کے لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو بسیار خوری و بسیار خوابی اکل حرام وغیرہ کے نقصانات ایسے واضح ہو چکے ہیں کہ ماہر فن ڈاکٹر امرڈنگ اور ڈاکٹر واشنگٹن جیسے ماہر فن بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ شکم سیر ہو کر کھانے سے صحت کو بے حد نقصان پہنچتا ہے انسانی قویٰ سست ہو جاتے ہیں ہاں اولیاء اللہ کی حیات طیبہ میں یہ چیز آپ کو بے نقاب ملے گی کم خوراکی بدن کو چست رکھتی ہے عوارض جسمانی سے حفاظت رہتی ہے عبادت و ریاضت میں سستی واقع ہونے نہیں پاتی طبیعت پر گرانی نہیں آتی۔ کھانے کے لئے جینا اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ خاصان خدا قوت لایموت کے طور پر کھاتے ہیں۔ اور فاقہ محض شہوات شکنی و اختتام پندار کی بنا پر کرتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے تصریح کی ہے کہ فاقہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جب سالک تین روز تک نہیں کھاتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم میں تجھے کھلاؤں پلاؤں گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ نے اس ظاہری کھانے پینے سے بے توجہی برتی اِنِّی اَبِیْتُ وَرَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ کا ارشاد عالی اسی پر ہے۔

معنوی موت

ظاہری موت مانگنے کو اسلام نے ممنوع قرار دیا مگر معنوی موت کی آرزو فرض کی فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ موت معنوی یعنی اپنے اختیار سے مرنا یہ ہے کہ ایک مردے کی طرح اپنے تصرف و اختیار کو خود کو دست غیر میں دیدے اور تمامی حظوظ نفسانی و شیطانی سے مبرا ہو جائے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا ارشاد اسی قبیل پر ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار

کو یک لخت معدوم کرے کہ نہ قصد ہو نہ آئندہ رہے درحقیقت انبیاء دادو نیا ہی اس بحر ذخار کے
اول تیراک ہیں اور بے شبہ انہیں کا یہ حصہ ہے یہی تو وجہ ہے کہ موت معنوی کا متصف دنیاوی تنعم سے
آزاد رہا کرتا ہے اس کی لذات و کیف کا احاطہ فہم انسانی سے بہت باہر ہے۔

تصوف

اس معاشرت کا نام تصوف ہے جس میں رضائے ایزدی و قربت خداوندی کے سوا کوئی
اور حاصل و مقصود نہ ہو یوں سمجھئے کہ جو بات بھی کی جائے وہ خاص قربت ربانی و رضائے
الٰہی کیلئے ہو جیسے سو لینا یہ بھی اس نیت سے ہو کہ اس لئے سویا جائے کہ دیدار الٰہی یا جمال مصطفوی
صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں مشرف ہو یا اس نقطہ نظر سے ہو کہ اگر نہ سوئے گا تو بیمار یا کسل مند
ہو جائے گا تو اس کا یہ سونا بھی عبادت ہے۔

لوازم تصوف

تمام تعریفوں میں مذکورہ تعریف سب سے بہتر ہے شرائط و لوازم تصوف یہ ہیں کہ شریعت
کو اس طرح مقدم رکھے کہ اپنے ہوش و حواس میں خلاف شریعت کوئی حرکت نہ کرے
بلکہ مقصود اصلی خدا ہو باقی عالم کے تمام امور کو ایسا سمجھے جیسے کہ شدید ضروریات کہ پاخانہ جانا پڑتا
ہے گو دل و دماغی و روحانی تکلیف ہوتی ہے مگر بغیر قضائے حاجت چارہ نہیں اسی طرح طعام و کلام و
نوم جو مقدار ضرورت کے موافق ہو نفس کو مغلوب رکھے اور جس بات میں نفس کی خوشی ہو نہ کرے اور جو
امور خیر سرزد ہوں ان کو وقعت نہ دے بلکہ یہ سمجھے کہ نفس کو مغلوب کرنے کے لئے یہ بھی ابھی کافی نہیں
اکابر و مشائخ کی تمام تصریحات کا نچوڑ یہ ہے کہ تصوف سے مراد اتباع سنت کی اسی درجہ پابندی کہ
ظاہر و باطن یک رنگ ہو جائیں اور زبان و قلب میں سر مو فرق نہ رہے۔ شریعت تو صرف ہمارے
ظاہر کو سنوارتی اور زبان کو شائستہ بناتی ہے اسی لئے شریعت کا تعلق بھی ظواہر سے ہے یہی وجہ ہے کہ
اس وقت تک شریعت کی داد و گیر نہیں ہو سکتی جب تک خباثت باطنی منظر عام پر نہ آجائے لیکن
اس کے برخلاف تصوف ہمارے باطن کو سنوارتا قلب کو شائستہ بناتا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب
بنا دیتا ہے۔ ماننا پڑیگا کہ شریعت دین کے علمی حصہ کا نام ہے اور تصوف عملی حصہ کا نام ہے یوں سمجھئے
کہ طریقت عمل ہے اور شریعت علم ہے۔ حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ شریعت یہ ہے کہ انسان خدا
کی بندگی و پرستش کرے طریقت یہ ہے کہ انسان خدا کی طلب کرے اور تقرب الٰہی حاصل کرے اور
حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا کو بے حجاب دیکھے مشاہدہ کرے اور اسے کما حقہ سمجھے (تذکرۃ الاولیاء)
مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ اسی قبیل پر دال ہے۔ حق معرفت تک عرفان ہونا تو دلیل کمال ہی ہے۔ اسی
بنا پر یہی وہ منزل ہے جہاں حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ نیکوں کی نیکیاں مقربان بارگاہ
احدیت کی نظر میں برائیاں ہوتی ہیں۔

فرق شریعت و طریقت

ظاہر ہے کہ جواز اور ہے اور تقوی اور ہے۔ دیکھئے مٹی کی ایک کوری لٹینی
میں پانی پینا جائز ہے مگر نگاہ تقوی میں اس لئے درست نہیں کہ

اس میں تاڑی پینے والوں سے خطرہ مشابہت ہے۔ وہ ایسی ہی لمبی تاڑیں اس کی تاڑی لینے کے لئے تانگتے اور اسی میں پیتے ہیں۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے جنازے میں شرکت فرمائی جو موصوف کا مقروض تھا۔ میت کے وہاں کوئی سایہ کی جگہ نہ تھی صرف دیوار کا تھوڑا سا سایہ تھا لوگوں نے عرض کیا کہ تمازت دھوپ سے بچنے کے لئے زیر سایہ دیوار تشریف لے آئیے تو امام اعظم علیہ الرحمہ نے اول تو انکار فرمایا مگر لوگوں کے اصرار پر فرمایا کہ میت میرا مقروض تھا مجھے ڈر ہے کہ سایہ دیوار میت سے اتنا نفع حاصل کرنا کہیں داخل سود نہ ہو جائے۔ شریعتاً یہ امر جائز تھا مگر طریقت کی نگاہ نے محمود نہ رکھا۔ حضرت غوث زماں مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لئے بے ضرورت قرض لیا کرتے حتی کہ کافی مقروض وصال فرمایا جیسا آگے آتا ہے۔ اس میں صرف نکتہ یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بندۂ مقروض جو ادائگی کی نیت مقدم رکھے تو اسکی معیت میں خدائے عزوجل رہتا ہے۔ دیکھا آپ نے شریعتاً ایسے قرض کی ضرورت نہیں مگر طریقتاً یہ قرض کس قدر محمود و مستحسن ہوگیا۔ شارع علیہ السلام نے خرگوش کا گوشت تناول نہیں فرمایا لیکن دوسرے لوگوں کو کھاتے دیا۔ مختصراً یہ مثالیں پیش اس لئے کی ہیں کہ فرق شریعت و طریقت واضح ہو جائے۔ اسی لئے شریعت و طریقت کو ساتھ لے کر چلنا معراج کمال ہے ہاں شریعت و طریقت کو جداگانہ طریقہ و متضاد راہ سمجھنا دماغی عیاشی کے سوا کچھ نہیں۔

صوفی ہمارے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صوفی وہ ہے جس میں مندرجۂ ذیل صفات پائی جائیں۔ فقر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت ابراہیم صوف موسی سیاحت عیسی صبر ایوب تضرع یحیی رضائے اسحق و مناجات زکریا صلوات اللہ علیہم۔

اعتراض سطحی نظر والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تصوف اسلام کیلئے ضروری شئے ہے تو کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین نے اس پر خیال آرائی نہ کی۔؟ ہم اعتراض کی نوعیت پر جہاں تک غور کرتے ہیں پتہ چلتا ہے کہ معترضین تصوف کو شریعت کی جداگانہ صورت سمجھے ہوئے ہیں جو فقط عیاشی دماغی ہے۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ کوئی حدیث ہے نہ شارحین حدیث نے ایسے کوئی معنی حدیث کے تصریح کئے جس میں یہ وضاحت ہو کہ جو امر قرون ثلثہ میں ہوا درست اور جو بعد قرون ثلثہ ہو نادرست ہے۔ اسکی تفصیل میں نے نعمۃ للعالمین میں کردی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تصوف تو شریعت کے کامل اتباع کا نام جب خود ہی تو یہ اعتراض لغو ہو جاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس دور میں اسکی وضاحت نہیں ہوئی یوں ختم ہو جاتا ہے کہ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو خیر القرون میں تمام افراد کے ظاہر و باطن میں مکمل یکسانیت تھی امراض قلبی و بداعتدالی کا اثر برائے نام ہی تھا۔ ان لوگوں کا کوئی قدم خلاف شریعت خود نہ اٹھتا بلکہ وہ لوگ امور دنیاوی کو محض خدا کی خوشنودی و فلاح اخروی کی بنا پر انجام دیا کرتے

تھے جو عین منشائے تصوف ہی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ ان حضرات کی نگاہوں میں بھی دنیا دی نعمتیں اسی
طرح بے وقعت تھیں جس طرح صوفیا کے نزدیک۔ حقیقت مسلمہ یہ ہے کہ بنی امیہؓ کے عہد میں دنیا پرستی
کا غلبہ بڑھا مگر یہ دور بھی خالی نہ رہا بلکہ اس وقت حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا
دور دورہ تھا جس سے عوام ارتکاب معاصی سے محفوظ رہا کئے۔ فیصلہ صاف ہے جب مقصد حاصل
تھا تو وضاحت و تدوین کی حاجت ہی کیا تھی۔ ہاں اس کے بعد نزاکت وقت کا تقاضا ہوا تو احکام
تصوف کی تصریح و توضیح بھی ہوئی۔ اصول و فروع قائم ہوئے۔ کتابیں تصنیف کی گئیں۔ اسکی مثال
ایسی ہی ہے جیسے علم حدیث و فقہ کی تدوین کی ضرورت اول صدی میں پیش ہی نہ آئی بلکہ پوری ایک صدی
تک مسلمان صرف قرآن کو اپنا دستور عمل بنائے رہے یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں صرف ایک تصوف
ہی نہیں بلکہ جمیع علوم حدیث و فقہ اصول و بیان و معانی بلاغت کلام تفسیر وغیرہ کوئی بھی اس
طرح موجود نہ تھے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ اس وقت تک لوگوں کے ظاہر و باطن یکساں تھے،
علم سینہ کا دور دورہ تھا تو ضرورت ہی نہ پڑی۔ ہاں دوسری صدی میں فقدان علم سینہ و قلت
توجہ و بے رغبتی کے شیوع سے حدیث و فقہ کی تدوین کی گئی اسی طرح قلوب کے تکدر سے جب
باطنی حالت خراب ہوئی اور نفس ضمیر پر غالب آنے لگا تو تصوف پر بھی توجہ دی گئی۔ دو میش احکام
فقہ کی تدوین سے شرعی احتیاج ختم ہو گئی اب ضرورت اگر تھی تو صرف امراض باطنی و فساد قلبی
کے دفعیہ کی۔ نفس پر جبر و تکلف کے ساتھ شرعی پابندیوں کو پورا کر لینا نماز پڑھنا روزہ رکھنا
آسان ہے لیکن عالم ذوق و شوق میں غرق ہو کر عبادت کرنا خدا کے ہر حکم پر والہانہ انداز سے مطیعانہ
و مسرورانہ و سرو شانہ عمل کرنا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ باطن کی خرابی کا سبب اور کامل اتباع سنت
میں اگر کوئی چیز حاجب ہے مانع تھی تو وہ نفس سرکش کی قوت تھی۔ حاجت تھی کہ ان رکاوٹوں کو بالکل
ہلاک کر دیا جائے۔ اور نفس سرکش کو نفس مطمئنہ بنایا جائے جب تک قلوب اس کے شائق رہے
سب سے اول خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے معلم رہے موصوف کی خلافت
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جاری رہیں۔ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی تعلیمات و فیوضات
بھی حین حیات ساری رہیں پھر آپ نے یہ خرقۂ خلافت حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کو سونپا۔
اس دور تک صرف تعلیم ہی کی حاجت تھی۔ اس کے بعد جب علمائے ظاہر ہوئے جن کا ظاہر تو ضرور
شریعت کے سانچے میں ڈھلا تھا مگر باطن میں تقرب خداوندی و اخلاق مصطفائی کی خوشبو نہ تھی
تو تصریحات تصوف ہوئیں۔ یہ صرف صوفیائے کرام ہی ہیں جن میں دونوں چیزیں پوری طرح مہک
رہی ہیں۔ افسوس کہ معترضین اس سے بھی ناواقف ہیں کہ شارع علیہ السلام جہاں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
پر مامور تھے وہاں يُزَكِّيهِمْ بھی تو آپ کا فریضہ تھا۔ آپ تعلیم شریعت و تزکیہ نفس دونوں کی تعلیم
فرماتے یہی تزکیہ نفس تو تصوف ہے اس مکتب کے ممتاز تلامذہ جیا رو خلفاء۔ عبد اللہ بن عباس

عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن جعفر طیار، محمد بن ابوبکر الصدیق حضرت بلال حضرت صہیب حضرت سلمان فارسی حضرت ابوذر۔ نیز اصحاب صفہ تھے جو تصوف و روحانیت میں یگانہ دہر تھے۔ یہی تو وہ مکتب تھا جن کی تعلیمات و اصول آج بھی جاری ہیں۔ ان حضرات کو ان کے متوسلین کو تصریحات کی احتیاج ہی کیا تھی۔ ہاں لوگ جب اس کے محتاج ہوئے تصریحات بھی کر دی گئیں کون انکار کر سکتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت آلہیہ کا نورانی خرقہ جو معراج میں عطا ہوا تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما کو نہیں ملا۔ مَاصَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي إِلَّا صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ۔ اللہ تعالیٰ نے قلب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو القا کیا وہ آپ نے قلب ابوبکر کو ودیعت فرمایا۔ اور عَلِيٌّ مِنِّي وَ أَنَا مِنْهُ نیز اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا کے اشارات اس کے سوا اور کیا ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوتراب علی مرتضی رضی اللہ عنہما ہی تو اس نیابت مصطفائی صلی اللہ علیہ وسلم کے مانتدا تھے۔ ارشاد شارع علیہ السلام ہے کہ سلمان ہمارے اہل بیت ہیں۔ یہ اعزاز کسی دنیاوی مقصد پر تو نعوذ باللہ نہ تھا۔ بلکہ ارتقائے روحانی و تقرب الٰہی اس کی اصل عظیم تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیابت طریقت میں آشکار ہے۔ ان سطور بالا میں ہم نے وہ حقائق تصوف جن کو نظر ظاہر معانی ظاہری کی شکل میں دیکھتی ہے واضح کر دئیے ہیں۔ ناسوت لاہوت ملکوت جبروت و نیز دیگر نکات کی تشریح انشاء اللہ افضال رحمانی جلد دوم میں مذکور ہوگی۔

ناقدین تصوف

حضرت خواجہ حسن بصری اور ان کے خلفاء کے بعد حضرت بایزید بسطامی میدان وضاحت میں آئے پھر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کا دور جو آیا تو تصوف نے ایک نیا جامۂ انقلاب پہنا۔ حضرت سہل بن تستری اسی جماعت سے تھے جس نے زہد و اخلاق روحانیت و ریاضت کو طریق صوفیاء کی اصل عظیم قرار دیا۔ تیسری صدی میں اس انقلاب نو سے گوشہ نشیں راہبوں کی مانند لوگوں سے دور رہنے کے بجائے شیخ کامل بنکر سامنے آنے لگے۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے اس فن کے اصول کی تنظیم و تشریح شایستہ کی۔ سری سقطی نے حقائق اور یحیٰ بن معاذ اور ابو حمزہ بغدادی نے تقاریر و مواعظ کی ابتدا کی۔ پھر حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے اسے مباحث عامہ کا موضوع بنا دیا۔ اور تصوف کی اصلیت و صحت آیات و احادیث سے ثابت کی گئی۔ تیسری چوتھی صدی میں یہ مذاق عام ہو گیا۔ فارابی بو علی سینا۔ امام غزالی علیہم الرحمہ کی وساطت سے بڑی فلسفیانہ اصلاحات پیدا ہوئیں۔ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ گو اواخر پانچویں صدی میں تشریف لائے مگر چھٹی صدی وہ قابل فخر دور ہے جس میں ترک دنیا کا وجود تقریباً ناپید ہو گیا۔ فقر و فاقہ۔ سادگی۔ زن و فرزند میں بود و باش کی گراں قدر اصلاح آپ نے فرمائیں۔ ہندوستان میں حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے بھی اسی اصول پر کام شروع

کیا۔ اور ان اصلاحات سے صوفیاء کی زندگی عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا نمونہ مکمل بنگئی

دوسرا باب

مجاہدات اولیاء ان حقائق کے سمجھ لینے کے بعد وضاحت مجاہدہ ضروری ہے۔ اولیائے کرام کے مجاہدات پر ابن تیمیہ ابن قیمؒ نے یہ زہر پاشی کی ہے کہ مجاہدات شریعت کو شرع اسلامی کے خلاف بتاتے ہیں۔ پرستاران ابن تیمیہ وغیرہ اور بھی ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ عموماً احادیث ذیل یہ لوگ اپنے دعووں میں پیش کرتے ہیں (۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا مشکوٰۃ باب القصد فی العمل۔ یعنی وہ عمل اختیار کرو جس کی تم میں طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عطائے ثواب سے نہیں تھکتا حتی کہ تم خود نہ تھک جاؤ۔ (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے میں نے اقرار کیا تو فرمایا کہ یہ نہ کیا کرو روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو رات کو نماز بھی پڑھو، اور سو بھی اس لئے کہ تیرے اوپر تیرے جسم کا بھی آنکھ کا بھی بیوی کا بھی جہان کا بھی حق ہے۔ بس تیرے لئے مہینے میں تین روزے رکھنا کافی ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ میں اس سے زائد عبادت کی طاقت ہے۔ فرمایا کہ پھر روزہ داؤد رکھا کرو۔ یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار عبداللہ بن عمر جب بوڑھے ہوگئے تو کہا کرتے کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مان کر رخصت قبول کر لیتا۔ بخاری کتاب الصوم (۳) بخاری و مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ تین صحابہ نے بعض ازواج مطہرات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال پوچھا۔ اس علم کے بعد اپنی عبادت کو کم سمجھ کر کہنے لگے کہ ہم کو بھلا اس نورٌ من نور اللہ سے کیا نسبت جس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے ہیں ایک نے کہا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا دوسرا بولا میں دن بھر روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں بیوی کے قریب بھی نہ جاؤں گا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے کہیں زائد خدا سے ڈرتا ہوں اور زیادہ متقی ہوں۔ مگر کبھی روزے رکھتا ہوں کبھی نہیں رکھتا۔ نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ خبردار تم میں سے جس نے میری سنت ترک کی وہ میرا پیرو نہیں۔

(۴) حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک دفعہ سید آدم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی دیکھی دریافت پر عرض کیا گیا کہ یہ رسی حضرت زینبؓ کی ہے جب شب کے وقت وہ کثرت عبادت سے تھک جاتی تھیں تو اسے تھام کر عبادت ادا کرتیں تو آپ نے اسے فوراً کھول دینے کا حکم دیکر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو چاہیئے

کہ مدت نشاط تک نماز پڑھا کرو جب تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو۔ بخاری کتاب التہجد۔ افسوس ہے کہ منکرین کی محدود نظر و سطحی معلومات نے ان کو حقیقت سے بہت دور پھینک دیا ہے۔ احادیث پر اگر غور کیجئے تو حدیث نمبر دو سے یہ ثابت ہے کہ ایسی عبادت و ریاضت نفسی جس سے بیوی و مہمان وغیرہ کی طرف سے بے پروائی نہ ہو بلاشبہ محمود ہے۔ حدیث نمبر چار اپنے منھ بول رہی ہے کہ اتنی دیر تک عبادت مستحسن ہے جو گراں نہ گذرے۔ سوال یہ ہے کہ ایک ایسا شخص ہے جسکو بیس رکعات بھی ادا کرنے سے گرانی آجاتی ہے اور ایک ایسا شخص ہے جو اپنے عالم کیف میں سو رکعت بھی ادا کرنے کے بعد گرانی محسوس نہیں کرتا۔ فرمایئے آپ کس کا عمل مطابق حدیث قرار دینگے؟ ماننا پڑیگا کہ یہ عملی مدارج حسب حیثیت ذوق عبادت ہیں جس میں گرانی و تھکاوٹ کا شائبہ بھی نہیں۔ اولیائے کرام یہ کب کرتے ہیں کہ کھلانے سے قطعاً گریزاں ہوں آرام سے منکر بیوی سے بے تعلق اولاد سے بے پرواہ ہوں۔ یہ تو صرف سمجھ کا قصور ہے کہ ان احادیث پر دوامی روزے گریہ مسلسل شب بیداری نفس کشی کو منافی سنت یا رہبانیت قرار دینے کی سعی ناتمام کی جائے۔

فلسفۂ روح و جسم

اب کچھ ضروری امور کو اولاً سمجھ لیجئے۔ کھلی ہوئی چیز ہے کہ قوائے عنصری کو خلاق عالم نے عناصر ہی سے پیدا کیا ہے لازمی امر ہے کہ عناصر سے پیدا شدہ چیز عناصر ہی سے قائم رہ سکتی ہے اور اسی سے پرورش پائیگی اسی لئے کھانا پینا انسان کیلئے لابدی ہے تاکہ پیہم محنت سے جو عنصری اجزا ختم ہوتے رہتے ہیں ان کی تلافی ہوتی رہے بنا بریں جسم عنصری کی پرورش اور دیگر اجسام کی پیدائش و نشو و نما و اس کے قیام کیلئے توالد و تناسل خورد و نوش وغیرہ جیسی خواہشات بھی اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں تاکہ ان کی تکمیل کا خود بخود انتظام بھی ہوتا رہے چنانچہ خدائے قدوس نے جائز عیش کی وَلَا تُسْرِفُوا کی قید لگا کر كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا مَّرِيئًا کا حکم فرمایا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سویا بھی کرو عبادت شب بھی کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ انسان پر اس کے جسم کا آنکھ کا بیوی کا مہمان کا بھی حق ہے تاکہ اس عام قانون و دستور آسان سے ہر کہہ و مہ فائدہ اٹھائے۔ اب ذرا دقیق نظر سے کام لیجئے تو واضح ہوگا کہ اس قانون عام و دستور آسان سے ایک راہ خاص و دستور اعلیٰ بھی ہے جس کے رہرو صرف مقربان بارگاہ الٰہی ہیں آپ یہ سمجھ چکے کہ جسم عنصری عناصر سے مرکب ہونے کی بنا پر عنصری غذاؤں کا محتاج ہے اسی اصول اسی قاعدے اسی کلیہ کے ماتحت روح جو لطیف شئے اور امر باری ہے خود روح بھی اپنے امر ہی سے غذا حاصل کرتی ہے کیونکہ عناصر کا ایک ذرہ بھی تو روح کی غذا بن سکا ہے نہ بن سکتا ہے قاعدہ ہے کہ لطیف شئے کو لطافت ہی سے تقویت ہوتی ہے اب غور فرمایئے کہ عبادت ذکر او شغل خود لطیف ہیں اسی لئے یہ سب مخصوص طور پر غذائے روح ہیں جس طرح قوائے عنصری عنصری غذا سے نشو و نما پاتے ہیں اور جتنی

اچھی غذا یہ پاتے ہیں اتنی ہی طاقت پاکر مادی خدمت انجام دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی مسلمہ ہے کہ جن جذبات کا تعلق عناصر مادہ سے ہوگا وہ ہی نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوں گے مثلاً حسد۔ ریا۔ نمود۔ غرور۔ عداوت بدگوئی نفسانیت اور جوں جوں یہ بڑھیں گے روح کمزور ہوگی یعنی جتنی مادیت غالب ہوگی اتنی ہی روح ضعیف ہوگی اب اگر انسانی توجہ انہیں کی طرف مرکوز ہوگی اور اسی پر قوت صرف ہوگی تو لازمی ہے کہ صفات ملکوتی جو خلاق عالم نے انسان میں ودیعت فرمائے ہیں بالکل معدوم ہوجائیں گے یہ وہ منزل ہے جہاں انسان اور حیوان میں فرق نہیں رہتا بلکہ ختم اللہ علیٰ قلوبھم کا یہی درجہ ہے اور کفر و شرک کی یہی سیڑھی ہے حتی کہ انسان اسفل السافلین میں گرجاتا ہے اس نقطۂ نظر کے ماتحت تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ جب انسان روح کی طرف متوجہ ہوتا ہے عبادت ذکر و شغل پر گامزن ہوتا ہے تو جس مستعدی و تیزی سے یہ مبارک اقدام کیا جاتا ہے جس قدر اس پر انہماک و التفات و التزام ہوتا ہے اتنی ہی روح کو نفیس و لطیف غذا ملتی ہے اور جس قدر روح طاقتور ہوتی جاتی ہے اجزائے عنصری اسی قدر ضعیف ہوتے جاتے ہیں حتی کہ وہ وقت آتا ہے کہ روح کمال اقتدار پر آجاتی ہے یہاں یہ اجزائے عنصری روح سے مغلوب ہی نہیں ہوتے بلکہ لطافت روح انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر اپنی ہی جیسی خصوصیت کما لیہ پیدا کردیتی ہے یہ وہ درجہ ہوتا ہے کہ یہاں انسان کو نہ زبانی ذکر کی حاجت ہوتی ہے نہ روح کو کسی عنصری عضو جیسے ذاکر کی احتیاج رہتی ہے بلکہ اب تو روح خود ذاکر ہوجاتی ہے اور جسم عنصری کی تمام کثافتیں روح کی لطافتی تجلیوں و ضیا باریوں سے ختم و نابود ہوجاتی ہیں اس وقت انسان سراپا پیکر روح بن جاتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ حضرت مخدوم صابر کلیری علیہ الرحمہ نے بارہ سال کچھ نہ کھایا نہ پیا مگر پھر بھی زندہ رہے اور کوئی عوارض جسمانی لاحق نہ ہوئے ہمارے ہمارے سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمہ کبھی چالیس روز کبھی ایک ایک سال بلا آب و طعام رہے کیوں محض اس لئے کہ جسم تو روح سے بالکل مغلوب ہو کر روحانی رنگ میں رنگ چکا تھا بس نتیجہ صاف ہے کہ جسمانی راحت کی خاصان حق کو اس لئے احتیاج نہیں رہتی کہ روح تو یاد الٰہی میں انتہائی لذت و سرور دائمی پارہی ہے ذرا فرمائیے تشدد ہوا تو کس پر اگر تھکا تو کون شرط نشاط کی حقدار کس کی ذات ہوئی سچ تو یہ ہے کہ یہ وہ مقام ہے کہ یہاں ایک لحظہ بھی غفلت تو روح کی تکلیف کا سبب بن جاتی ہے صوفیائے کرام کے وہاں جو چیزیں اتباع سنت میں حائل تھیں گو عوام کے لئے جائز تھیں ان کو یہاں اسی شدت کے ساتھ مٹانے پر کمر باندھی گئی نفس کشی پر اصرار فقر کی تاکید مذمت دنیا و ترک دنیا کی شد و مد پر زور دیا گیا ہے تو وہ خلیج تھی کہ جو قرب الٰہی کی راہ میں حائل تھی کیوں نہ اسے پاٹا جاتا آرام نفس کے بدلے آرام روح بسیار خوراکی کے بجائے فاقہ و قوت لایموت بسیار خوابی کی جگہ شب بیداری اعتماد دنیاوی کے بجائے توکل خداوندی ظاہری دولت کے بدلے باطنی دولت ترئی جسم کی جگہ ارتقاء روحانی گئی جتنی عبادات کے ساتھ والہانہ انداز سے مزید عبادتیں اختیار کرنا شعار ہوا

ذرا خدا لگتی فرمائیے کتاب و سنت پر اس سے بہتر عمل مکمل کی تصویر کوئی اور بھی ہوگی - ہرگز نہیں -
دیکھئے نہ ہمارے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ مشاہدہ حق میں ایسے محو ہوتے کہ جب نماز کا
وقت آتا تو ممدوح کے کانوں میں اذان دی جاتی اور حق حق کے نعرے لگائے جاتے تو آپ آنکھ
کھولتے اور عرض کرتے کہ یا رب العالمین اگر شریعت اسلام سے مجبور نہ ہوتا تو تیرے مشاہدہ جمال
سے ہرگز نہ ہٹتا جد محترم غوث زماں گنج مراد آبادی علیہ الرحمہ اکثر و بیشتر فرماتے کہ خدائے قدوس
نے اگر ہم کو جنت الفردوس عطا کی تو عرض کرونگا کہ بار آلہا مجھے حور و غلمان کی حاجت نہیں مجھے
تو تلاوت قرآن اور نماز پڑھنے کی اجازت عطا ہو جو مزہ اس میں ہے وہ اور کسی میں کہاں ہے -

کیف عبادت

قطع نظر اور امور کے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز میں مشغول
ہیں لوگوں نے پیوست شدہ تیر کھینچ بھی لیا لیکن تکلیف تو درکنار آپ کو خبر بھی
نہیں ہوئی - تقاضائے بشریت ہے کہ ہاتھ مس ہوتے ہی کرب و الم ستانے لگے مگر معاملہ ہی برعکس ہے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ محویت کسی خاص لذت و سرور کی نقاب کشائی کرتی ہے اب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ ادھر
نیت باندھی ادھر محبوب حقیقی کے جمال حقیقت افروز نے سب کچھ بھلا دیا - نماز فقراء کی تفصیلی پر
کلام طویل ہو جائیگا اس لئے ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں حضرت جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے جب
قاضی بدر الدین کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کے ملازم سے فرمایا کہ اچھا قاضی شہر بھی نماز پڑھنا
جانتا ہے - قاضی نے خود پوچھا اور اثبات میں جواب پاکر کہا کہ کیا فقراء کیلئے کوئی اور شرع نعین ہے کیا وہ
اور کسی طرح ارکان ادا کرتے ہیں - شیخ نے فرمایا کہ نہیں تو ارکان عبادت وہی ہیں ہاں علماء کعبہ کی
طرف سجدہ کرتے ہیں مگر فقراء جب تک رب کعبہ کو نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک سجدہ ہی نہیں کرتے
اور اصل وجہ فقراء کی نماز کا یہ ہے کہ وہ عرش اعظم پر نماز پڑھیں " - اسی شب کو قاضی نے خواب میں دیکھا
کہ آپ عرش اعظم پر مصلے بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں (تذکرۃ الواصلین) یہ ہے فقراء کی نماز سچ ہے کہ
لذت عبادت جس کے سامنے ہر دنیاوی لذت ہیچ ہے صرف فقراء کو نصیب ہے جس کیلئے کم خوراکی کم خوابی
اکل حلال لابدی ہے -

لذت عشق

قیس عامری کو محض عشق لیلے نے کتنا اذیت کوش اور آزار طلب بنا دیا تھا - اسکو
مصائب عشق میں کچھ ایسی لذتیں اور سرور ملے تھے کہ وہ سمجھائے نہ سمجھتا تھا -
گھر سے چھوٹا خانماں برباد ہوا - والدین اقارب سے بچھڑا - شاہی سے گدائی پائی - سوکھ کر کانٹا ہو گیا
مگر اس بلائے عشق سے آزادی پانے پر طیار نہیں اسی پر بس نہیں باپ کے ساتھ کعبہ لے جایا گیا
تو غلاف کعبہ پکڑ کر دعا بھی مانگتا ہے تو یہ "الہی مجھ سے جدا ہو نہ الفت لیلے" - جب اس عشق مجازی
میں اتنی لذت اتنا کیف اتنا سرور ہے کہ ہر الم مسرت ہر غم سرور ہر اذیت راحت ہر بلا آسائش ہے تو
خاصان خدا کے عشق حقیقی کی سرشاریاں - کیف آگیں مسرتیں کس قدر مہتم بالشان ہونگی - درویش

فرہاد نے شیریں کے رخسار رنگیں کا عکس دیکھ کر ہر طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ غور کیجئے جب ان ذروں کے حسن کا یہ عالم ہو کہ عاشق دوسری اشیا کو دیکھ ہی نہیں سکتا تو اس نور حقیقی کے مشاہدہ کرنے والے اگر دنیا و مافیہا سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں تو کیا محل تعجب ہے؟ صحیح ہے کہ مجاہدات ہی میں دیدار شروع ہو جاتے ہیں اس دیدار کی لذات کیف بخش کے بحر ذخار کو جذب کرنے کی ہوس میں عاشق بڑھ چڑھ کر محنت و ریاضت کرنے لگتا ہے پھر ان عشاق کی ایک حالت بھی نہیں رہا کرتی۔ جتنا بڑھے اتنا ہی اُدھر سے اور مل گیا۔ مقامات پر مقامات کھلتے جاتے ہیں۔ جب اپنا ہی ہوش نہ ہو تو کھانے پینے کی فکر ہو بھی تو کیسے؟ ابن تیمیہ ابن قیم اور منکرین کو اگر یہ لذت عشق یا ذوق عبادت کی تلچھٹ بھی مل گئی ہوتی تو وہ اس ذوق عبادت کو مخالف شرع بتانے کی نامعقول جسارت سوتے میں بھی نہ کرتے۔!

مجاہدات شارع

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوق عبادت سے حدیث معترض کا جواب ہم آپ کو دیئے دیتے ہیں چنانچہ شارع علیہ السلام جب نماز کو کھڑے ہوتے تو سینۂ مبارک خوف الٰہی سے اس طرح جوش کھاتا جیسے دیگ جوش مارتی ہے۔ سرور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم روتے اور اتنا روتے کہ روئے مبارک کے سب بال تر بتر ہو جاتے۔ کثرت و ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ پائے مبارک ورم کر جاتے۔ ماننا پڑتا ہے کہ اگر آپ کو امت سے پابندی شریعت نہ کرانا ہوتی اگر آپ کو امت کے سامنے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کا عملی نمونہ پیش نہ کرنا ہوتا تو چلنے پھرنے کا بھی ہوش نہ رہتا۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام ہمہ وقت خوف الٰہی سے روتے رہتے۔ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجھے سورۂ ہود نے بڈھا کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری کی خوف الٰہی سے کمر جھک گئی تھی کس میں یہ جسارت ہے کہ ان مجاہدات کو مطابق شرع نہ مانے؟ لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ راہ خاص ہے اور سب سے ارفع۔ ہمارے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے اسکی وضاحت فرمادی ہے بقولہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ایک ذرہ عارف کے دل کو وہ لذت و سرور عطا کرتا ہے کہ بہشت کے ایک لاکھ قصر دلکشا کی فرحتیں اور سرشاریاں بھی اپنی انتہائی مخموریوں اور کیف اندوزیوں کے بعد بھی ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ (تذکرۃ الاولیا)

تشدد اور فرق ریاضت و رہبانیت

یہ صحیح ہے کہ بعض غیر مذاہب والے روح کو تقویت پہنچانے اور اپنے جسم کو کمزور کرنے کیلئے مختلف طریقے روا رکھتے ہیں کسی نے ہات سکھا لئے تو کسی نے پیر بیکار کر لئے کسی نے کھانے پینے ہی سے بالکل بے نیازی اختیار کر لی۔ ہاں اسلام نے اس چیز سے روکا کہ جسم کو اسقدر تکلیف پہنچا کر حق اولاد و اہلیہ و حق جسم سے محروم نہ کیا جائے مگر روح کو تقویت پہنچانے پر پورا اختیار بخشا۔ تجربہ شاہد ہے کہ خاصان خدا تھوڑا ضرور کھاتے ہیں مگر وہ کھانے سے منکر نہیں روزہ رکھتے ہیں مگر افطار سے پرہیز نہیں وہ

جسم کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں مگر کسی عضو کو فنا نہیں کرتے نہ نفس سرکش کو دکھ دیتے ہیں مگر کسی عضو کو دکھ نہیں دیتے ۔ یہی فرق ہے رہبانیت و ریاضت اسلامی کا ۔ اسلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کیجئے تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بھی جسم کو ترقی روحانی اور وصول الی اللہ میں حائل مانا ہے ۔ بہ نسبت اور ادیان کے اسلام نے فنائیت کا وہ نظریہ پیش نہیں کیا جس سے جسم کو نقصان پہنچے بلکہ ان طریقوں کی مذمت کرتے ہوئے ایک آسان اور بے حد موزوں طریقہ تعلیم فرمایا جس سے جسم کو نقصان بھی نہ پہنچے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے فنائیت کے مدارج پر اگر نظر ڈالئے تو اول درجہ فنا فی الشیخ دوسرا درجہ فنا فی الرسول تیسرا درجہ فنا فی اللہ کے عالم میں پہنچکر وہ شخص رہتا تو بندہ ہی ہے مگر اس میں کُن فیکونی صفات ربانی پیدا ہو جاتے ہیں ۔ افسوس کہ یہ مدارج علمی نہیں بلکہ عملی ہیں اور عملی مدارج کی وضاحت قلم اور کاغذ کبھی نہیں کر پاتے ۔ ہاں اس مثال سے آپ کی تسلی ضرور ہو جائیگی کہ اگر آپ لوہے کو آگ کے اندر ڈال دیں تو قلیل وقفہ میں آگ کے تمام اوصاف اس لوہے میں پیدا ہو جائیں گے ۔ بہ اعتبار رنگ انگاروں اور لوہے میں فرق نہ رہے گا جس طرح انگارہ ذاتی طور پر جلائے گا وہ لوہا بذاتہ جلادینے کی صفت پوری طرح رکھے گا بس جس طرح آگ میں پڑکر سرخ ہو جانے سے لوہا آگ نہیں بن جاتا اسی طرح انسان فنا فی الرسول ہو کر نہ رسول بن جاتا ہے نہ فنا فی اللہ ہو کر خدا ہی بن جاتا ہے نعوذ باللہ ۔ بلکہ لوہا جب تک آگ کے اندر ہے اسے آگ کے تمامی صفات بذاتہ لوہا رہتے ہوئے بھی پوری طرح حاصل ہیں اسی طرح بندہ جب تک فنائیت کے درجہ میں رہا بندہ ہوتے ہوئے بھی صفات ربانی کا مظہر تمام اصل و حقیقت کا آئینہ ہے ۔ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِیْ وَبَصَرُهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِیْ الخ کہ خدا ہی اس کی آنکھ ۔ کان و ہاتھ و پیر ہو جاتا ہے اسی قبیل پر ارشاد ہے بس لوہا جب آگ سے جدا ہوا لوہے کا لوہا اسی طرح بندہ میں جہاں خودی پیدا ہوئی یہ سب معدوم ۔ دلائل بالا سے ثابت ہوا کہ انتہائی شقاوت کی وہ راہ ہے کہ روح پر جسم غالب آجائے اور کثافت لطافت کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لے جیسے ابو لہب و ابوجہل ۔ دوسری راہ سعادت یہ ہے کہ روح جسم پر غالب آکر کثیف کو بھی لطیف بنا لے یہ درجہ اولیاء اللہ کا ہے تیسری راہ درمیانی درجہ ہے جو عوام مومنین کا ہے یعنی یہ کہ روحانیت کی طرف رجحان ہو اور جسم سے روح چند درجہ غالب ہو مگر یہاں بھی دو حالتیں ہیں ایسا شخص اگر ترقی جسمانی حاصل کریگا بد ہوتا جائے گا اور اگر ارتقائے روحانی حاصل کریگا ابرار ہوتا جائیگا

بیخودی و سرشاری

تفصیل بالا سے واضح ہو گیا کہ روح بھی لطیف ہے اور انوار بھی لطیف ہیں پس لطیف لطافت ہی سے سرور و لذت دوامی سکون و ارتقا نشو و نما و قیام دوامی پا سکتی ہے اسی لئے عبادت کا تعلق اصلی صرف باطن سے ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آفتاب حقیقت کا دیکھنے والا ان ذروں پر کیسے نگاہ بھی ڈال سکتا ہے جو خود اسی آفتاب کے ٹکڑے اور اسی کی ضیا سے روشن ہیں ۔ اگر وہ نظر بھی ڈالتا ہے تو حقیقت کا لطف ہی

نہیں آتا یہ پھیکی روشنی لذت بخش ہے نہ کیف آور۔ جب عشق مجازی والا معشوق مجازی کو دیکھ کر ان بے
وقعت ذروں پر متوجہ نہیں ہو سکتا تو عشق حقیقی کا طالب صادق نور حقیقت کے سوا ان اشیاء پر بھی
قطعاً ملتفت نہیں ہو سکتا۔ جب عشق مجازی میں کھانا پینا سونا سوہان روح ہو جاتا ہے کسی
دنیاوی آرام سے سکون کے بجائے تکلیف ہوتی ہے اگر چین ہے آرام ہے لطف و سرور ہے لذتیں ہیں تو صرف
دیدار یار میں تو ذرا فرمائیے کہ اپنی خوشی تو کوئی خانماں برباد نہیں ہوتا اب بھی کیا واضح و ثابت نہیں کہ
دنیا کی نگاہ میں جو آرام ہے وہ نگاہ عشق میں تکلیف، اور جو نگاہِ عشق میں لذات و سرشاری کا متاع
سکون ہے وہ دنیاوی نظر میں تکلیف ہے پھر عشق حقیقی و عشاق ربانی کی بیخودی و سرشاری پر چراغ
پا ہی کیوں ہے؟ یہ تو عین مقتضائے کمال انسانی و ارتقائے روحانی و عشق ربانی ہے۔ ہمارے جد
محترم کے پرنانا صاحب اعلیٰ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہما "برزخ عجمی" میں ہیں چالیس
یوم کا فاقہ ہے۔ نفس کی آواز الجوع الجوع بلند ہوتی ہے حضرت ابو سعید مخزومی ناگاہ گذرے
تو دریافت کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ "این قلق نفس است اما روح با مولیٰ آرام"۔ سمجھا آپ نے اس
آرام حقیقی کو ترجیح دی جا رہی ہے اور آرام ظاہری پر توجہ نہیں دی جاتی۔ مگر تکلیف کا سوال ہی نہیں
احساس تکلیف کا شائبہ ہی نہیں۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ بیخودی و سرشاری میں دنیا و مافیہا
سے غافل۔ دنیا اور اہل دنیا کے جھگڑوں سے دور۔ احساس خودی کھوئے ہوئے نفس سرکش کو نفس
مطمئنہ بنانے کیلئے آرام حقیقی کیلئے خوشنودی رب قدیر کیلئے مصروف مجاہدہ ہیں فَمَنَّ اللّٰهُ
عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ کی آیت پر آتے ہیں اسی پر کھڑے کھڑے صبح صادق
ہو جاتی ہے۔ یہ حضرت غوث الاعظمؒ و امام اعظمؒ کا اقدام حسنہ کس کی جسارت ہے کہ اسے تکلیف
بتلائے یا موافق شرع نہ کہے کس میں ہمت ہے جو ان طالبان صادق کی لذات و سرور کی تہ پر پہنچ کر ان
اندازہ کرنے والا ہے بتائیں تو وہی کہیں تو وہی کہ کیا عالم سرور ہے کیا کیا مقامات کھل رہے ہیں قلق نفس
ان لذات و سرشاریوں کے مقابل کوئی وقعت رکھ سکتا ہے۔ ان کو قلق ہے تو یہ کہ جلد سے جلد معراج
کمال طے زائد سے زائد جمال دوست سے مستفیض ہوں یہی ابدی سکون ہے یہی راحت دوامی ہے۔ حدیث
میں ممانعت ہے تکلیف جسمی کی قید ہے نہ قدر نشاط کی۔ یہاں تکلیف کا سوال ہی نہیں نشاط حاصل
ہی نہیں ہو پائی مشاہدہ جمال سے سیری ہی نہیں وہ محویت و سرشاری ہے کہ اس کی بھی تو خبر نہیں کہ
پیوستہ دجاں ستاں تیر نکلا کہ ابھی باقی ہے۔ کرم اللہ وجہہ۔ سطحی نظر والا خلاف شرع تک رہا ہے تو بکا کرے
وہ اس کا حقیقت آشنا ہی نہیں اس دشت کا صحرانورد ہی نہیں پرواہ اس لئے نہیں کہ دیکھنے والا
تو خود شرع بنانے والے کو دیکھ رہا ہے طالب دیکھ رہا ہے کہ مطلوب مسرور ہے راضی ہے وہ اسی کی رضا
جوئی میں زائد سے زائد اپنے محبوب کو مسرور کرنا چاہتا ہے اسی دھن میں مست ہے یاد میں محو ہے چین
پا رہا ہے اسی کا دیدار سامان نشاط ہے اقتضائے عشق یہی ہے کہ معشوق کی خوشی شرع بنانے والے کی

مرضی ہی ہے جو کچھ ہو رہا ہے التفات محبوب و توجہ معشوق کیلئے تو سب کچھ سہا جا رہا ہے۔ وہ راضی ہے یہ شاداں ہیں۔ مرضی معشوق رضائے عاشق میں آپ دخل دیتے ہیں تو کیوں مخل ہوتے ہیں تو کیوں؟ اگر خدا کے سچے پرستار ہو تو بولو یہ حقیقی پرستش الٰہی ہی تو ہے۔

اولیا اور اتباع شریعت

شریعت تو محبوب حقیقی ہی کا چونکہ قانون ہے اس لئے یہ عاشقان صادق صوفیائے کرام پاس شریعت سے جدا ہی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ سب کچھ ان پر بیت جاتا ہے مگر پاس و حرمت شریعت ہر طرح ملحوظ خاطر و الا رہتا ہے حضرت سرمدؒ کا سر تن سے جدا ہو رہا ہے حضرت منصورؒ پر پتھر کی بارش ہو رہی ہے عضو سے عضو جدا کیا جا رہا ہے مگر احترام شریعت سے مہر بہ لب ہیں۔ کیا یہ ہمت ہے کہ بتا سکو کہ اس خاموشی کی وجہ احترام شریعت کے سوا کوئی دوسرا تھا۔ یہ بات نہ ہوتی تو کیا تم پاس بھی پھٹک سکتے تھے؟ اسی طرح اولیائے کرام کے کسی حال پر نظر کیجئے بظاہر جو تکلیف ہے در اصل وہ آرام ہے خوشی سے جان دے رہے ہیں شکوہ ہے نہ فریاد شکایت ہے نہ نالہ الٹے مسکرا رہے ہیں۔ درویش صوفیائے طریقت اپنے مجاہدات کسی پر ظاہر بھی نہیں کرتے بلکہ سب کی نظروں سے انتہائی پوشیدہ رکھتے ہیں انکار کی جرأت نہیں کہ یہ محض نمود و ریا سے بچنے کیلئے پابندی شریعت پر کیا جاتا ہے۔ درویش پھر وضاحت کرنا پڑتی ہے کہ لذائذ نفسانی کا جہاں تک سوال ہے چونکہ یہ ادنیٰ قسم کے ہوتے ہیں اس لئے ان میں جو پھنستا ہے وہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے نہ قلبی لذائذ سے محظوظ ہو سکتا ہے نہ آگے قدم بڑھا سکتا ہے کہاں تک سمجھائیں کہ قلبی لذائذ کے سامنے لذت نفسانی ہیچ ہے کتنی تفصیل کریں کہ یہی وہ رکاوٹیں ہیں جو راہ عروج میں حائل ہونے والی ہیں بتا چکے کہ لذائذ قلبی روحانی لذائذ کا زینہ ہیں یہی وجہ ہے کہ اولیا کی توجہ لذات نفسانی جیسی خدا سے دور کرنے والی بے وقعت اشیاء کی طرف نہیں ہوا کرتی کیونکہ خالصاً لوجہ اللہ جب کوئی نفسی لذت ترک کی جاتی ہے تو خدا اس تارک کو اس کے بدلے میں اس سے ہزارہا درجہ بہتر صدہا نعمتیں عطا کر دیتا ہے۔ مشاہدہ جمال و لذت معرفت سے بڑھ کر جب کوئی دوسری چیز نہیں اسی لئے جو مشاہدہ جمال کر لیتا ہے وہ کسی اور شے کو پسند ہی نہیں کرتا۔ یہی ان کی غذا ہے ان کی نشاط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں منکر کو بھی لاچار ہو کر یہ اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ اولیائے کرام کا اگر احترام شریعت نہ ہوتا تو وہ دنیا کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈالتے۔

دنیا اور صوفیا

سچ ہے کہ دنیا ہیچ ہے اسکی لذات بے وقعت ہیں مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوازم تصوف کے خلاف تقرب خداوندی کے معارض ہوتے ہوئے بھی اولیائے کرام نے دنیا اور دین کو ساتھ رکھا۔ عالم سلوک میں وعظ و نصیحت۔ خدمت خلق۔ درس تدریس ازدواج تربیت اولاد تصانیف کیا کیا نہیں کیا۔ ہم بہ بانگ دہل کہتے ہیں کہ یہ صرف خاصان حق کا ہی خاصۂ امتیاز ہے کہ دنیاداری بھی رہی اور قرب خداوندی بھی۔ ماکولات رئیسانہ ملبوسات امیرانہ بھی پہنے دولت و ثروت بھی پیدا کی تجارت بھی کی جہاد بھی کیا لاکھوں روپیہ راہ خدا میں خدمت خلق میں بھی بانٹا۔ فرماں روائی بھی کی مگر شریعت و

طریقت کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ یہ دنیاداری حصول دنیا کی خاطر نہ تھی بلکہ صرف شریعت کی پابندی کی بنا ہی پر تھی۔ معراج کمال تو یہی ہے کہ دنیاوی جھگڑوں میں الجھ کر بھی وہی کیا جائے جس میں رضائے ربانی ہو۔ سب سے اعلیٰ و اکمل ذات سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے فرمان روایانہ حیثیت سے دیکھئے تو اپنی مثال آپ مجاہدانہ حیثیت سے غور کیجئے تو کثرت عبادت کا یہ عالم کہ پائے مبارک متورم ہو گئے مگر تھکاوٹ ہے نہ سیری اکل و شرب میں صوم یوم الوصال خاصہ امتیازی ہے۔ یہی توجہ ہے کہ اولیائے کرام نے اس راہ خاص کو اصل عظیم قرار دیا اور اتباع میں راہ خاص (طریقت) اور راہ عام (شریعت) دونوں پر کاربند رہے۔ خلفاء اربعہ کی زندگی یہی رہی ازاں بعد اولیائے کرام نے اپنی طریقت و شریعت کا لوہا منوایا۔ کسی طور سے بھی نظر ڈالئے اس ایک لڑی میں سب پیوستہ نظر آتے ہیں کہ حصول ارتقار روحانی میں جب بھی عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا تو دنیا اور دنیاوی نعمتوں سے سب کا دل سرد نظر آتا ہے پھر ان کیلئے یہاں کھانے پینے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان کی معنوی موت ہی اس لئے ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دست حق تعالیٰ میں دیدیا کرتے ہیں اپنے آپ پر ان کا قبضہ رہتا ہے نہ اختیار۔ ناز و نیاز کا دور دورہ ہوتا ہے حریم ناز کے پردے اٹھے ہوئے ہوتے ہیں جو امتحان محبت لیتا ہے وہی کھلاتا پلاتا انعام و عطا سے نوازتا ہے یہی راز ہے تمامی اولیاء کے مجاہدہ وریاضات کا۔ کہ بظاہر کھڑے کہیں ہیں اور ہیں کہیں اور بیٹھے یہاں ہیں مگر مدنی دربار میں حاضر ہیں۔ نماز یہاں ہو رہی ہے مگر سر خانۂ کعبہ میں جھکا ہے یہ بات احادیث معترض میں خود ثابت ہے کہ ایسی عبادت جو گراں نہ گذرے حقوق اہل و جسم پورے ہوتے رہیں نشاط و ذوق قائم رہے جائز ہے بس ان حقائق کی روشنی میں دیکھئے تو یہاں یہ معاملہ ہے کہ سیری ہی نہیں تمنائے ذوق پوری نہیں گرانی کے بجائے کیف و سرور کا تقاضا هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ ہے۔ ہاں ابن تیمیہ و ابن قیم و ان کے پرستاروں کی طرح ذراسی عبادت میں تھک جانا روزوں کا تصور ہی گرانی کا سبب بن جانا خدا کسی کو بھی نہ دے بلکہ ذوق عبادت سے سیری نہ ہونے پر بھی صوفیائے کرام کی عبادت میں تھکنے گراں گذرنے نشاط قائم رہنے حقوق پورے ہونے کی مکمل تصویر موجود ہے۔ رہا مجاہدہ خاص تو وہ گریہ وافر اور دوام قدم بکثرت عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ریاضت اولیاء کا ایسا شاہد عادل ہے کہ منکر کو نہ راہ فرار ہے نہ مجال انکار۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صوفیائے کرام جس وقت عالم سکر و جذب میں ہوتے ہیں اس وقت معذور و شرعاً مرفوع القلم ہیں۔ ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کا اولیا راہم جو خود بندہ نفس کشتہ ضلالت صریحہ ہے۔

تیسرا باب

نسبی شرافت	مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اپنے نسب عالی کی طرف خود توجہ فرماتے ہوئے

آج تک کسی حاضر و زائر سے مسموع نہیں بلکہ زبان فیض ترجمان سے بعض مخصوص مریدین نے استفسار
پر صرف اتنا جواب پایا کہ ؎

امتیاز شرف آدمیاں را حسب است ۔۔۔ بہر تحقیق نسب آدم و حوا کافی ست

سبحان اللہ مقام غور ہے کہ اس جگہ بھی اس نمونۂ شریعت علیہ الرحمہ نے اتباع سنت ہی کو مقدم رکھا۔
حدیث صحیح میں وارد ہے کہ مَنْ اَبْطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ اگر اطوار بد ہیں تو شرافت
نسبی کیا کام دے سکتی ہے۔ درحقیقت ایسے اولیاء اللہ گزرے ہیں جن کے نسب کا آج تک پتہ نہیں
مگر اُن کے حسب کے سامنے بڑے بڑے اہل نسب بھی شرما گئے۔ اسی لئے تو اکثر اولیاء اللہ کا یہ مسلک
رہا ہے کہ ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ۔۔۔ کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بات کیا ہے جو اتنی بے پروائی کی جا رہی ہے سوا اس کے کچھ نہیں کہ اسلام نے دنیا والوں
کی طرح نسب کو وقعت نہیں دی بلکہ الٹی اسکی مذمت کی۔ قرآن کریم نے کھول کر کہدیا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ اور نسلی شرافت کے احساس کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر معیار فضیلت ربانی
صرف عمل کو قرار دیا۔ پرستاروں نے حکم سنا اور بہ طیب خاطر ارتقائے عمل کے میدان میں تحصیل کمال کیلئے
وقف ہو گئے جو بھی عمل میں جتنا بڑھتا گیا اتنا ہی محترم ہوا۔ حضرت زید ایک غلام تھے مگر عمل خیر نے
ان کو ایسا محترم بنا دیا کہ اہل قریش کی مایۂ افتخار اور سید الاسیاد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد ہمشیرہ
حضرت زینب رضؓ حضرت زید رضی اللہ عنہما سے منسوب ہوئیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ فضیلت
عملی کی بدولت حضرت مشکل کشا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کا خرقۂ خلافت پاتے اور حضرت سلمان فارسی
کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سند اہل بیت ہونے کی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ
نبوت کی عطا کردہ خلافت کا جانشیں قرار دیتے ہیں۔ ہم قرن اول میں معیار شرافت صرف عمل کو پاتے
ہیں قرن ثانی میں بھی یہی عالم تھا کہ غریب سے غریب تر عالم دین کو شاہان وقت اپنی بیٹیاں دینا انتہائے
شرف کا باعث سمجھتے علمائے خلف کے عہد تک یہ بات یوں ہی قائم رہی لیکن آخرش ایک وہ دور آیا
کہ مادہ پرست یورپ کی پھیلائی ہوئی وبا ایسی عام ہوئی کہ نہ ذات رہی نہ کفو بس جس کے پاس
دولت ہے وہ شریف ہے۔ لیکن اسلام روز اول ہی یہ راز سمجھ چکا تھا اور چونکہ دولتمند ہونا ہر شخص کی
دسترس میں ہے نہ ہر شخص شرافت نسبی سعی بلیغ سے حاصل ہی کر سکتا ہے اسی لئے اسلام نے اس کو مذموم
قرار دیکر تعلیم دی کہ حسب ہی سب کچھ ہے ظاہر ہے کہ عمل و تقویٰ وہ آسان نعمت ہے جسے انسان حسب
مرضی جتنی چاہے خود حاصل کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے اسی بنا پر اسلام نے معیار
شرافت وہ رکھا جس میں دنیا بھر کی بہتری ہے اور ہر چھوٹا بڑا مزے سے حاصل کر سکتا ہے کاش کہ اس
تعلیم پر مجموعی طور پر اگر عمل درآمد ہوتا تو مسلمانوں میں ذلالت و شرافت کے یہ غیر فطری امتیاز پیدا

ہی نہ ہو سکتے تھے۔ قرآن کریم کا یہی تو انوکھا درس نرالا اعجاز ہے کہ جو ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی اس پر عمل پیرا ہو تا ہے تو وہ منزل علو کی حد آخری پر گامزن ہوتا ہے وہی جو کل عرب کے گلہ بان خونخواری سے مست ڈاکہ دلوٹ سے سرشار کہے جاتے تھے آج مشرف باسلام ہوکر کوئی بادشاہ کوئی گورنر کوئی صاحب باطن کوئی امام حدیث و رئیس طریقت بنتا ہے کیوں محض اس لئے کہ ان لوگوں کو یہ اعتقاد دینے والا عادات پر صیقل کرنے والا تہذیب سے مرصع بنانے والا اشرافت اصلی کی روح پیدا کرنے والا اسلام ہی تو ہے جس نے تہذیب نفس صفائے قلب کلام و طعام طاعات عبادات معیشت معاشرت وغیرہ کے ایسے بہترین قوانین سمجھائے کہ جو بھی اس درس ربانی پر عامل دل سے ہوا وہ قلیل وقفہ میں ایسے رنگ میں رنگ گئے کہ قبائح محاسن سے بدل گئے۔ اور آج ان کی کامیاب ڈکٹیٹری اعلیٰ مدبری بے مثال معلمی و مہذب روش و مساوات پر عالم انگشت بدنداں ہے۔

نسب شریف

غوث زماں حضرت قبلہ فضل رحمٰن محمدی بن شاہ اہل اللہ بن شیخ ملا محمد فیاض بن شیخ برکت اللہ میاں بن خواجہ عبد القادر بن شیخ شاہ سعد اللہ بن مولانا شاہ نور اللہ عرف نور محمد بن شیخ عبد اللطیف بن حافظ شاہ مخدوم عبد الرحیم معروف بہ بندگی میاں بن حضرت مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی بن مخدوم شیخ نگمن بن مخدوم شیخ داؤد بن مخدوم شیخ شہاب الدین ثانی ملقب بہ زاہد بن شیخ ادھم دانا بن شیخ فخر الدین ولی ملقب بہ شاہ بن شیخ شہاب الدین مکی بن شیخ احمد صوفی بن شیخ ابوبکر بن شیخ احمد فقیہ بن شیخ محمد فقیہ بن شیخ فقیہ الدین بن شیخ محمد جون بن شاہ احمد کلاں بن شاہ عبد اللہ رومی بن شیخ فخر الاسلام بن شیخ محمد ثابت بن شیخ محمد حادث بن شیخ عبد اللہ بن سیدنا امام قاسم بن سیدنا محمد بن سیدنا امام المتصدقین ابوبکر الصدیق القرشی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

خلیفۂ اوّل

معراج میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت الٰہی کا جو نورانی خرقہ عطا ہوا علاوہ خلافت راشدہ کے خلافت طریقت کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ودیعت فرمایا گیا۔ چنانچہ چشتیہ۔ قادریہ سہروردیہ سلاسل حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہہ سے اور سلسلۂ نقشبندیہ افضل البشر بعد الانبیاء رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئے خلیفۂ اوّل رضؓ نے اپنا جانشین حضرت سلمان فارسیؓ اور سیدنا محمد بن ابوبکر رضوان اللہ علیہم ہر دو حضرات کو فرمایا خلیفۂ اول تو مکتب مصطفائی کے جانشیں تھے ہی مگر سیدنا محمد بن ابوبکرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو بھی اوّل شرف صحابیت دوئم تعلیم مصطفائی بذاتہ بھی حاصل تھی ان ہر سہ حضرات کی شان ولایت کی وضاحت ہم تو خیر کیا اکابرین سے بھی نہ ہو سکی۔

امام قاسم

حضرت خلیفۂ اوّل کا وصال شریف بعض ۲۳ جمادی الثانی اور بعض ۲۳ جمادی الاول ۱۳ھ بتاتے ہیں صحیح آخری ہے اسی طرح سترہ جمادی الثانی ۲۵ھ

یوم چہارشنبہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا مزار شریف کوفہ میں ہے لیکن سیدنا محمد بن ابوبکر رضی اللہ اس کے بعد بھی کئی سال بقید حیات و نفع بخش قلوب طالبان رہے۔ آپکے صاحبزادے اسلاف کے سچے خلف سیدنا امام قاسم رضی اللہ عنہ ہوئے کمال ولایت کی وضاحت سورج کو چراغ دکھانا ہے اسے تو سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہی بتا سکیں حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ کا وصال شریف ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۷ھ میں ہوا جنت البقیع میں خواب راحت ہیں۔

شیخ عبداللہ

سیدنا امام قاسم رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عبداللہ صاحب ہوئے خرقہ خلافت مع دیگر لوازم خلافت امام قاسم صاحب نے سیدنا امام جعفر صادق کو اور حضرت عبداللہ صاحب کو اپنی دستار کردائے مبارک عطا فرمائی (رضی اللہ عنہم) یہی وجہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے فروغ ہوا موصوف کا وصال شریف ۱۵ رجب المرجب سنہ ۱۴۸ھ یوم دوشنبہ کو ہوا روضہ سیدنا امام حسن علیہ السلام میں آرام پذیر ہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا دوسرا شرف امتیازی یہ ہے کہ موصوف کو اپنے والد ماجد حضرت امام باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء حضرت امام حسین صلوات اللہ علیہم کی خلافت بھی ملی اسی طرح سلسلہ سہروردیہ کے روح رواں بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں پس سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کی ذات بابرکت سے حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہ کی یہ خونی نسبت بھی جاری وساری ہے۔

شیخ محمد حادث

شیخ عبداللہ صاحب علیہ الرحمہ سے ایک دوسری شاخ جاری ہوئی آپ کے صاحبزادے شیخ محمد حادث صاحب ہوئے جو اس قدر تصوف میں رنگے ہوئے تھے کہ ہر وقت حادث (فانی) ہونے کو زیر نظر رکھتے حتی کہ یہی وجہ خطاب بھی ہوا سن وفات دونوں کا لامعلوم ہے۔

شیخ محمد ثابت

شیخ محمد حادث صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے شیخ محمد ثابت صاحب رحمۃ اللہ علیہما ہوئے۔ عبادات مجاہدات طریقت و توکل میں اس قدر ثابت القدم تھے کہ ثابت آپ کا لقب پڑ گیا۔ موصوف کے فرزند ارجمند شیخ فخر الاسلام جن کو خدائے قدوس نے پورا اسم بامسمیٰ فرمایا پیدا ہوئے۔

شاہ عبداللہ رومی

شیخ فخر الاسلام صاحب کے صاحبزادے شاہ عبداللہ صاحب تھے جو دیار پاک سے روم آئے اور وہیں متوطن ہوئے اسی لئے آپ کو رومی کہا جاتا ہے شاہ کا خطاب آپ کے کمال باطنی پر عطائے الہی ہے۔ موصوف کے بیٹے شاہ احمد صاحب ہوئے کہلاں کا خطاب اس لئے ہوا کہ آپ کے بیٹے و پوتے کا بھی یہی نام تھا۔ خطاب طریقت آپ کا بھی شاہ ہے آپ کے صاحبزادے شیخ محمد جون صاحب ہوئے آپ سے شیخ تقیہ الدین ہوئے موصوف سے شیخ محمد صاحب

فقیہ ہوئے اور ان کے صاحبزادے شیخ احمد صاحب فقیہ ہوئے ممدوح سے شیخ ابوبکر صاحب ہوئے افسوس کہ ہم کو ان حضرات کے حالات کا علم واضح نہیں۔ ہاں یہ حضرات کمالات علم ظاہر و باطنی کا مخزن تھے سلطان وقت نے منصب امور دینی بھی سپرد کیا تھا اور کسی کو وزارت دی۔

مخدوم شیخ احمد صوفی

شیخ ابوبکر صاحب کے فرزند ارجمند مخدوم شیخ احمد صوفی رح ہیں۔ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں صوفی صاحب قبلہ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے امارت خاندانی ترک کرتے ہوئے درویشی اختیار کی۔ اور اپنے جد اعلیٰ کی وہ سنت جو خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا مال و متاع نذرانہ ایزدی میں دے کر صرف خدا اور رسول خدا پر اکتفا کی تھی یوں انجام دی کہ ایک روز صوفی صاحب کی ایک صاحب باطن درویش سے ملاقات ہوئی تو وہ نورانیت جو صرف ذرا سی تحریک کی مقتضی تھی دمک اٹھی صوفی صاحب رح تمام اسباب و اجناس نقد و جواہر راہ خدا میں لٹا کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیکر تخت امارت ٹھکراتے اور سجادۂ فقر پر متمکن ہوتے ہیں نواح روم میں صحرانشیں ہوئے اور وہیں وصال ہوا جناب صوفی مخدوم شیخ احمد علیہ الرحمہ کے سب سے پہلے فرزند شیخ سعید القریشی علیہ الرحمہ ہیں جو اول درجے کے صاحب باطن۔ عالم بے بدل نیز علم قرأت میں کمال فوقیت رکھتے تھے روم سے بغداد شریف تشریف لائے اور اپنی فطری قابلیت سے سلطان وقت کے مصاحب خاص ہوئے چونکہ جبین حسین سے نیر معرفت ضیا پاش تھا سلطان بغداد نے ازراہ خلوص و عقیدت آپ کو اپنا داماد بنا کر سعادت دارین حاصل کی آپ کا سلسلہ بغداد میں ختم ہوا۔

امام شہاب الدین مکی

مخدوم شیخ احمد صوفی صاحب رح کے دوسرے فرزند صالح جن سے ہمارا سلسلہ وابستہ ہے شیخ شہاب الدین محدث مکی ہیں جو بلند پایہ محدث و بے نظیر صاحب باطن تھے آپ نے صوفی صاحب علیہ الرحمہ سے تکمیل طریقت کی روم سے کعبہ شریف تشریف لائے بیت اللہ شریف میں کئی برس درس حدیث شریف دیا اولاد و اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ علم نیز فیوض طریقت حاصل کئے آپ کے کمال تقویٰ و فضیلت سے متاثر ہو کر مصلی شافعی کی امامت سپرد کی گئی موصوف نے ستر سال کی عمر میں سنت نکاح ادا فرمائی آپ کی تین صاحبزادیاں اور ایک فرزند ارجمند شیخ فخر الدین ولی مادرزاد پیدا ہوئے۔ امام ممدوح نے دیار محترم میں وصال فرمایا مزار شریف جنت البقیع میں ہے۔

شاہ فخر الدین ولی رح

ولی موصوف علیہ الرحمہ نے پندرہ برس کی عمر ہی میں علم دین حاصل فرما لیا تھا اور اسی عمر میں حضرت شیخ حسن رومی رح کے دست سراپا برکت پر ولی ممدوح نے بیعت کی اور مجاہدۂ نفسی و ریاضات شاقہ فرمائیں موصوف جب اپنے پیر و مرشد سے ازدیاد علم باطن کی استدعا فرماتے تو شیخ حسن رومی علیہ الرحمہ فرماتے کہ جو بات ایک باکمال صاحب باطن

میں ہونا چاہئے وہ بحمداللہ حاصل ہی زیادہ کی حرص کم ظرفی ہی ایک دن پیر ممدوح نے فرمایا کہ آج سے تم کو ہم نے شاہ کا بھی خطاب عطا کیا۔ ۹ جمادی الثانی ۶۶۵ھ میں وصال شریف ہوا موصوف دیار پاک سے شام تشریف لائے تھے مزار شریف شام میں ہی۔

حضرت ادہم دانا شاہ فخرالدین ولی علیہ الرحمہ کے فرزند مبارک حضرت ادہم علیہ الرحمہ ہیں چونکہ موصوف دیگر علوم کے علاوہ علم تعبیر میں بھی یگانۂ روزگار تھے جس کو جیسی تعبیر دیدیتے بعینہٖ وہی صادق آتی نیز مستجاب الدعواتی کا یہ حال تھا کہ جس معاملے کی بابت جیسا ارشاد فرماتے بفضل خدا وہی ہوتا تھا اسی سے لوگ آپ کو دانا کہنے لگے ۵ ماہ رجب کو آپ کا وصال ہوا سن وفات لا معلوم۔ موصوف کے کئی صاحبزادے تھے لیکن سلسلۂ ولدیت آپ کے خلف اکبر حضرت شہاب الدین ثانی سے جاری ہوا۔

شہاب الدین ثانی قطب علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ملک شام سے روانہ ہو کر ملک عرب پہنچے اور ایک عرصہ تک کعبۂ معظمہ کی جاروب کشی میں مصروف رہے۔ کئی بار حرم شریف کا روزانہ طواف کرنا ممدوح کا محبوب شغل تھا اتقاء و زہد اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ممدوح کا زاہد خطاب ہوا۔ موصوف کی دوسری شان امتیازی یہ تھی کہ آپ صفائی معاملات میں اس قدر مشہور تھے کہ لوگ حق گو شہید کے خطاب سے بھی یاد کرنے لگے سو ہمیش آپ کو شرف شہادت بھی خلّاق عالم نے عطا فرمایا۔

آمد ہندوستان مولانا بابا علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں حضرت زاہد شہید حق گو علیہ الرحمہ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جو ہندی حاجیوں کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اولاً کچھ عرصہ تک اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں یاد الٰہی فرماتے رہے یہاں ایک درویش مسمی شاہ عشق اللہ سے لطف صحبت رہا جب شہید حق گو علیہ الرحمہ کی ترقی باطن شاہ عشق اللہ صاحبؒ کے احاطۂ اختیار سے باہر ہو گئی تو حضرت زاہد شہید حق گو اسی حالت بیخودی میں بہار چل دئے۔ بہار میں ملا شیخ نوراللہ صاحب بہاری کی دختر نیک اختر سے شہید موصوف کا عقد ہوا اور اس طرح بہار وطن ثانی ہوا حضرت زاہد شہید کے ایک صاحبزادی اور چار صاحبزادے ہوئے بہار کے کفار سے معرکۂ جدال پیش آنے پر حضرت زاہد نے شہادت کا درجہ پایا۔ اس معرکہ میں شہید حق گو کے تیسرے صاحبزادے کے ایک تیر مین ناف پر لگا جس سے سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا۔

شیخ داؤد وطن پانی پت شیخ شہاب الدین ثانی زاہد حق گو شہید علیہ الرحمہ کے خلف اکبر حضرت شیخ داؤد صاحب صرف صاحب نسل ہیں بقیہ سے نسل نہیں حضرت زاہد حق گو کی صاحبزادی کا نکاح شیخ برہان الدین ملا کبیر سے ہوا۔ لیکن شیخ

داؤد صاحب بہار سے بیس سال کی عمر میں دارالخلافہ دہلی بعہد سلطنت سلطان فیروز شاہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ یہاں قیام پذیر رہے۔ دہلی سے بھی شیخ داؤد علیہ الرحمہ بحالت تجردی روانہ ہو کر پانی پت آ گئے پانی پت کی آب و ہوا کو موافق اور یہاں کے لوگوں کو صاحب خلق و مروت پاکر شیخ داؤد صاحب نے وطن بہار کی بجائے پانی پت کو وطن بنانا بہتر سمجھا شیخ داؤد صاحب کے آثار ولایت و انوار معرفت کے چونکہ لوگ خود ہی پروانہ تھے بے تکلف پیغام عقد پیش ہونے لگے تو شیخ صاحب نے چاند بی بی بنت شیخ زین الدین عثمانی کو اپنے عقد میں قبول کیا اور محلہ سرائے کا فوری میں ایک خانقاہ کی بنا ڈالی۔ حضرت داؤد صاحب کے حسن اخلاق و شان ولایت سے متاثر ہو کر نورباف و تیرہ فروشوں نے اپنے محلوں سے منتقل ہو کر سرائے کا فوری میں سکونت اختیار کی جس سے آبادی بھی کافی ہو گئی۔

شیخ مگن صاحب

مساۃ چاند بی بی سے کئی اولادیں ہوئیں لیکن مرضی رہی کہ سب صغر سنی میں فوت ہو گئیں۔ انہیں ایام میں اتفاقاً ایک درویش صاحب باطن مسمی بہ شیخ مگن صاحب علیہ الرحمہ ہاتھوں میں عصا لئے پیروں میں کھڑاؤں پہنے بچشم جانب سے وارد ہو کر ملاقی ہوئے اور شیخ داؤد صاحب سے فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو۔ شیخ داؤد علیہما الرحمہ نے فرمایا کہ بس خدا عاقبت بالخیر کرے۔ شیخ مگن صاحب نے فرمایا کچھ اور بھی تو شیخ داؤد صاحب نے فرمایا کہ جی ہاں ایسے فرزند کی آرزو ہے کہ جس کی دعاؤں سے عاقبت بالخیر ہو اور دنیا میں نام بھی باقی رہے شیخ مگن علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ فرزند اور فرزندوں کے فرزند تم کو دئیے گئے اور اس جملہ کو کئی بار تکرار کیا۔ اس میں یہ اشارہ واضح ہے کہ یہ فرزند ایسے باکمال ہوں گے کہ دنیا اور دین دونوں میں ان سے و ان کے فرزندوں سے فیض عرفانی کے دریا بہہ جائیں گے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ اسی سال ایک فرزند دلپسند حمیدہ صفات پیدا ہوا جس کا نام شیخ داؤد صاحب نے شیخ مگن صاحب موصوف کے نام نامی پر شیخ مگن ہی رکھا۔

خانہ آبادی شیخ مگن

مخدوم شیخ مگن بن شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہما ابھی آٹھویں برس ہی میں تھے کہ سر سے سایہ پدری اٹھ گیا چنانچہ شیخ داؤد علیہ الرحمہ ۹ ر شعبان ۸۷۸ھ کو عالم باقی کو سدھارے اور مخدوم شیخ مگن نے اپنے نانا شیخ زین الدین عثمانی کے وہاں تربیت پائی اور موصوف نے اپنے نانا کے بھتیجے حافظ محمد نعیم بن شیخ برہان الدین کی دختر مسماۃ صالحہ بی بی سے عقد نکاح کیا۔ موصوفہ کے بطن سے پہلی صاحبزادی خدیجہ عرف ماہ بی بی پیدا ہوئیں جو پانی پت ہی میں شیخ بایزید روحانی سے منسوب ہوئیں اس کے بعد بی بی صالحہ سے فرزندوں میں سب سے اول مخدوم شیخ نور اولیا جو شیخ اولیا صاحب علیہ الرحمہ کے نام سے مشہور خلائق ہیں پیدا ہوئے شیخ اولیا صاحب کی شادی شیخ بایزید روحانی کی ہمشیرہ مساۃ حلیمہ بی بی سے ہوئی۔ حضرت شیخ اولیا صاحب کے مشہور و معروف صاحبزادے شیخ فخر الدین صاحب علیہ الرحمہ ہیں جنہوں نے اپنے

عم بزرگوار حضرت مخدوم مصباح العاشقین قدس سرہ کے زیر سایۂ عاطفت تربیت پائی۔ اور انہیں کے دست بابرکت پر بیعت بھی کی۔

سیدنا مخدوم مصباح العاشقین

مخدوم شیخ لکن صاحب کے چھوٹے صاحبزادے حضرت بہار العارفین مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ ہیں۔ مخدوم صاحب ۱۹ محرم الحرام ۸۱۰ھ بمقام پانی پت پیدا ہوئے جس وقت مخدوم صاحبؒ سات ماہ کے بی بی الحجہ کے شکم میں تھے تو ملا محمد سعید صاحب علیہ الرحمہ جو اس عہد کے صاحب باطن بزرگ تھے نے خواب دیکھا کہ شیخ لکن علیہ الرحمہ کے گھر میں ایک بہت بڑے خرما کا درخت ہے جو خوب پھولا پھلا ہے اور زمین پر خرمے بکھرے پڑے ہیں لوگ چن چن کر کھا رہے ہیں" تو صبح یہ تعبیر بیان فرمائی کہ شیخ لکن صاحب کے وہاں ایسا فرزند صالح پیدا ہونے والا ہے جس سے بے حد مخلوق فیضیاب ہوگی چنانچہ شیخ لکن صاحب مخدوم صاحب کو پیدا ہوتے ہی حضرت ملا محمد سعید صاحب کی خدمت میں لے گئے ملا صاحب نے بکمال شفقت داہنے کان میں تین بار اذان اور بائیں کان میں تین بار اقامت کہہ کر بہت کچھ دعائیں بھی دیں مخدوم صاحب کی اول مکتب نشینی (رسم بسم اللہ) بھی ملا محمد سعید صاحبؒ نے انجام دی پھر کتب صرف ونحو مکمل اور بعض کتب فقہ بھی مخدوم صاحب کو ملا صاحب نے ختم کرائیں۔

عقد اول مخدوم صاحب

چونکہ والدین کو مخدوم صاحب بے حد پیارے تھے اس لئے ابتدائے شباب ہی میں والدین نے حافظ محمد نعیم بن شیخ برہان الدین کی نواسی سے مخدوم صاحب کا عقد کر دیا۔ لیکن ابھی مخدوم صاحب پر شوق علم کا غلبہ بدرجہ اتم تھا اس لئے یہ بات پسند خاطر نہ آئی لیکن حکم والدین سے انحراف بھی نہ کر سکے مگر کچھ روز بعد ہی بہ سمت لاہور و ملتان روانہ ہو گئے۔ ملتان پہنچکر شیخ الشیوخ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے اور مولانا مولوی محمد حسین صاحب علیہ الرحمہ سے جو اس وقت کے متبحر عالموں میں سے تھے تمامی تکمیل فقہ و حدیث وغیرہ کر کے کعبۂ شریف جا پہنچے مخدوم صاحب نے اولاً مناسک حج ادا فرمائے بعدہٗ زیارت اولاد نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم و صحابہ وقت سے شرف ملاقات حاصل کیا اور یہیں کچھ عرصہ قیام کر کے اجازت و سند حدیث شریف لیکر بارادہ زیارت مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

لطیفہ اسی وجہ سے حضرت غوث زماں مولانا شاہ فضل رحمان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اکثر ارشاد فرماتے کہ "ہمارے بزرگوں نے تو مکہ شریف میں حدیث شریف پڑھی اور پڑھائی بھی اور وہیں سے سند بھی لائے"۔ چنانچہ مخدوم صاحبؒ نے ایک سال سات ماہ فرادسرا پا انوار رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جاروب کشی کی اور جو اولاد امجاد سید الانبیاء صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام وہاں تھے ان کی زیارت و شرف صحبت سے مشرف ہوتے رہے بعد ازاں اپنے وطن پانی پت واپس ہوئے تو اس عرصہ میں مخدوم صاحب کی حرم اولی فوت ہو چکی تھیں۔

مخدوم صاحب کا عقد ثانی

حرم اول سے کوئی اولاد بھی نہ تھی ادھر ملک شیخ عبد الصمد جو صدیقی النسب تھے اور پانی پت کی زمام حکومت ان کو سپرد تھی نے جب مخدوم صاحب کی مراجعت مع الخیر کی خبر سنی تو بڑا ہی پرتپاک خیر مقدم بجا لاکر لوازم مہمان نوازی سے بکمال عقیدت پیش آئے مخدوم صاحب کو ابھی وطن آئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ موصوف نے سفر پورب کا ارادہ کر دیا۔ خدامان ادب نے یہ سنکر فوراً آپکے پدر بزرگوار سے اطلاع کی ساس خبر سے مخدوم صاحب کے والد و بڑے بھائی شیخ اولیا صاحب کو کمال اضطراب ہوا اور آپ کی والدہ صاحبہ سے جب صبر نہ ہو سکا تو انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور بلا میری رضا چلے گئے تو دودھ نہ بخشونگی۔ لاچار مخدوم صاحب نے فسخ عزیمت کر دیا۔ اعزا و اقارب نیز والدین عقد ثانی کے خیال میں تھے ہی کہ اس درمیان میں ملک عبد الصمد نے اپنی دختر مسماۃ جالدھی بی بی کا پیغام بہ طیب خاطر پیش کیا تو مخدوم صاحب نے اسے قبول کیا بعد از نکاح چندے رہ کر جب پھر طلب راہ حقیقت نے گدگدایا تو مخدوم صاحب نے پدر بزرگو اسے اجازت لیکر پورب کا سفر کیا مخدوم صاحب کا سن شریف اسوقت پینتالیس سے متجاوز نہ تھا چنانچہ موصوف اولاً دہلی تشریف لائے چند ماہ یہاں گذرے تھے کہ بعض اہل وطن سے مخدوم زادہ شیخ عبد الرزاق صاحب علیہ الرحمہ کی ۱۹ ذی حجہ ۸۵۶ھ کو پیدائش کی خبر سنکر سجدۂ شکر ربی ادا کیا۔

خرق عادت

گو ایسے واقعات کو اگر مختصراً ہی لکھا جائے تو یہ خود ایک مستقل کتاب بن جائے مگر ضمناً بعض تذکرے چھوڑے بھی نہیں جا سکتے چنانچہ مخدوم صاحب نے دہلی سے کوچ فرمایا تو ایک روز اتفاقاً اثنائے سفر میں گرمی کی شدت و حرارت لو سے انتہائی غلبۂ پیاس نے موصوف و رفقائے ہم سفر کو بے تاب کر دیا۔ بہ تلاش بسیار ایک خام کنواں ملا جنگلی جانور وکبوتر و فاختہ وغیرہ بھی کنوئیں کے گرد ساقی رنگیں ادا سے فیضیاب ہونے جمع ہو گئے اولاً تو مخدوم صاحب نے بعض احباب کو رسی اور ڈول تلاش کرنے بھیجا بعد ازاں ایک ہم سفر طالب علم سے کاسۂ چوبی ہاتھ میں لیکر وہ دست مبارک مثل رسی کنوئیں میں لٹکا یا لطف ربی سے جب ہاتھ باہر نکالتے تو وہ چوبی پیالہ خوش ذائقہ آب سرد سے بھرا نکلتا چنانچہ مخدوم صاحب نے اولاً جانوروں کو پھر ہم سفر احباب کو پلایا پھر خود نوش فرمایا۔ سبحان اللہ۔

این سعادت بزور بازو نیست | تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مخدوم شاہ مینا صاحب لکھنوی سے ملاقات

یہاں سے منزل بہ منزل مخدوم صاحب لکھنؤ پہونچے اور مولانا اعظم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی یاد رہے کہ یہ وہی مولانا اعظم ثانی ہیں جو حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب اور شیخ سعد الدین بن قاضی بدھن انامی رحمۃ اللہ علیہم کے استاد تھے ممدوح کا مزار شریف متصل درگاہ شاہ مینا صاحب

علیہ الرحمہ ہے۔ یہاں اگر ان واقعات کا ذکر کریں جو مخدوم صاحب وحضرت شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ہے تو خوف طوالت ہے صرف اس لطیفہ سے اندازہ کر لیجئے کہ ایک روز مخدوم صاحب وحضرت شاہ مینا صاحب رحمۃ اللہ علیہما باہم تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے مخدوم صاحب کے متعلق سوال کیا کہ ایشان کدام آند۔ تو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ من ہستم۔ وہ شخص کچھ نہ سمجھا بلکہ اور متعجب ہوا تو حضرت شاہ مینا صاحب نے متبسم ہوکر فرمایا کہ "ایشان فی الحقیقت منم و فی التسمیہ منم و فی القصر منم۔" تو وہ شخص اپنی کم فہمی پر بہت منفعل ہوا۔ کیا الفت باہمی ہے سبحان اللہ۔

مخدوم صاحب کے مرشد اول

کچھ عرصہ بعد حضرت مخدوم صاحب مولانا اعظم ثانی علیہ الرحمہ سے مرخص ہوکر قصبہ رادولی واقع اودھ جواب دریاآباد ہے حضرت شیخ احمد راد وڈی کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ صاحب نے اول تو استخارہ کیا بعدہٗ طریقہ چشتیہ میں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو مرید کیا۔ مخدوم صاحب نے یہیں چلہ کشی و ریاضت شاقہ فرمائیں۔ چنانچہ شیخ جیا نے تکمیل مدارج دیکھ کر خود استخارہ کیا اور مخدوم صاحب کو بھی ہدایت استخارہ کی تاکہ یہ واضح ہو کہ کس بزرگ کے ذریعہ منعم حقیقی نے یہ انعام نعمت ولایت آپکے حق میں لکھا ہے تین روز برابر ہر دو حضرات نے استخارہ کیا تو معلوم ہوا کہ خرقۂ خلافت وغیرہ کا حصول حضرت مخدوم شیخ جلال صاحب گجراتی جن کو شاہ گنج بخش کا خطاب منجانب اللہ ہے کے ہاتھوں مقدر ہے۔ کچھ ہی روز میں شیخ صاحب نے سامان سواری و نقد برائے راہ خرچ مہیا کر کے بعض خدام کو ہمرکاب کرتے ہوئے خود بھی ایک خط بدیں مضمون تحریر فرمایا کہ فرزندے شیخ محمد را بہ حسب اشارت پیران طریقت بخدمت شریف ایشاں رخصت نمودم و آں چناں نیز برائے ذکائے ایشاں ہویدا گردیدہ باشد توقع کہ در حق فرزند من توجہ فرمایند کہ باعث کشائش کار وے بودہ باشد و بہ نعمت خرقۂ خلافت و تبدیل لباس اورا سرفراز فرمایند کہ طریقہ بزرگان سلف مسلوک برآں سنت وَالْخَیْرُ لَدَیْکَ وَالْاَمْرُ بِیَدَیْکَ انتہی

آمد بہار مخدوم صاحب

مخدوم صاحب قبلہ شیخ احمد رادوڈی رحمۃ اللہ علیہما سے رخصت ہوکر تھوڑے دنوں میں بہار پہنچے اور اپنے اس وطن اول میں موجودہ رشتہ داروں سے مل کر مسرور ہوئے شیخ محمد امین نبیرہ دختر شیخ شہاب الدین زاہد شہید حق گو کے مکان پر ٹھہرے شیخ محمد امین صاحب نے چاہا کہ اپنی دختر کا نکاح مخدوم صاحب سے کریں لیکن مخدوم صاحب نے تمنائے خدا طلبی و شوق ملاقات حضرت شیخ جلال گجراتی علیہ الرحمہ کے سبب یہ عذر کیا کہ فی الحال تو معذور ہی ہوں بعد واپسی تعمیل میں عذر نہ ہوگا۔ غرضیکہ مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اپنے اعزا سے رخصت ہوکر بہار سے بنگال چلے اور کئی منزل بعد پنڈوہ پہنچے۔

مخدوم صاحب کے مرشد حقیقی

اس زمانہ میں بقیۃ السلف حضرت جلال صاحب شاہ

تاج بخش علیہ الرحمہ پنڈوہ میں مقیم تھے جس وقت حضرت مخدوم صاحب پہنچے تو شاہ صاحب قیلولہ فرما رہے تھے اس لئے مخدوم صاحب گوشۂ خانقاہ میں مقیم ہو گئے۔ معاً شاہ صاحب نے ایک ہاتف غیبی سے عالم خواب میں سنا کہ ایسا طالب صادق آیا ہے کہ جس سے تمہارا یہ سلسلہ جاری و منبع فیض ساری ہوگا۔ چنانچہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ فوراً اٹھے اور خادم سے دریافت حال کیا تو اس نے عرض کیا کہ ایک شخص درویش صفت بظاہر آراستہ شیخ محمد نامی مع چند رفقا پچھم جانب سے آئے ہوئے گوشۂ خانقاہ میں مقیم ہیں تو شاہ صاحب نے خادم کو ہر طرح آرام پہنچانے اور مدام خبر گیری کی تاکید کی اور خود بعد نماز ظہر مخدوم صاحب کو شرف صحبت بخشا۔ مخدوم صاحب نے شیخ احمد راوٹی کا مکتوب پیش کیا تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ بیٹا اس کی ضرورت ہی کیا تھی اور دوسرے وقت شاہ صاحب قبلہ نے مخدوم صاحب کو حجرہ میں طلب فرما کر اپنے معمولات وغیرہ تلقین فرمائے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں مخدوم صاحب کے بقیہ مدارج بھی طے ہو گئے۔

خلافت مخدوم صاحب

چنانچہ ایک سال کے اندر ہی یہ ہونے لگا کہ جو لوگ تعلیم طریقہ کیلئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے ان کو شاہ صاحب قبلہ مخدوم صاحب کے حوالے فرماتے اور خرقہ خلافت بھی مخدوم صاحب کے ہاتھوں پہنواتے۔ چنانچہ شیخ فتح اللہ۔ شیخ محمد امین۔ سید یار علی۔ نور خاں۔ میاں خاں۔ شیخ لعل محمد۔ شیخ نور الدین۔ میر زین العابدین۔ سید برہان الدین و سید جعفر علی وغیرہ جملہ اثنی اشخاص نے مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے دست بابرکت سے حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں راہ سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت پایا تیسرے سال حضرت شاہ صاحب نے اپنا عمامہ مبارک اور جبہ مخدوم صاحب کو اپنے دست مبارک سے پہنا کر جو لوازم خلافت مشائخ چشتیہ تھے سب مرحمت فرمائے مخدوم صاحب نے اپنے مرشد کی نعلین اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اپنے سینے پر رکھے اور ہمیشہ سفر و حضر میں کبھی جدا نہ کرتے بلکہ اپنے سرہانے رکھا کرتے۔

مخدوم صاحب کا عقد سویم

اس اثنا میں حضرت شیخ جلال شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ کی یہ رائے ہوئی کہ مخدوم صاحب یہاں بھی سنت نکاح ادا فرمائیں تاکہ میرے پاس بود و باش رہے تو مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ میں نے بہار کے قیام میں شیخ محمد امین سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں سے واپسی پر موصوف کی دختر سے نکاح کرونگا۔ شاہ تاج بخش علیہ الرحمہ نے یہ سنکر مسرت ظاہر کی اور ایک خط بنام محمد امین صاحب لکھ کر مع چند رفقاء روانہ بہار کیا تو شیخ محمد امین نے جواباً تحریر کیا کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین کی نسبت تجویز عالی نہایت انسب ہے عاجز کی قدیم سے یہی رائے تھی مگر سات ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ دختر فقیر فوت ہو چکی ہے لیکن میں نے اپنے بھائی محمد منعم کی دختر کو مخدوم صاحب کیلئے

تجویز کردیا ہے القصہ حضرت شاہ جلال صاحب نے اس لڑکی کو جو اب بغیر ماں باپ کے تھی اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ مصباح العاشقین میرا لڑکا اور یہ میری لڑکی ہے لہذا دونوں طرف سے سامان شادی ہم ہی کریں گے۔ مخدوم صاحب کے اس عقد کی خبر بذریعہ مکتوبات پانی پت پہنچی۔

وجہ تسمیہ مصباح العاشقین

ایک روز شیخ جلال تاج بخش علیہ الرحمہ کی مجلس میں ایک قوال نے

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

گایا تو مخدوم صاحب پر بیخودی طاری ہوئی حتی کہ سب کپڑے قوال کو دیدئے چنانچہ حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس شعر نے ہمارے بیٹے پر بہت کافی اثر کیا تو ایک شاگرد نے سارا قصہ عشق مجازی شہر بنارس عرض کیا تو حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے مسرور ہو کر فرمایا کہ اسی وجہ سے تو لسان الغیب سے ان کو مصباح العاشقین کا خطاب مرحمت ہوا ہے نیز یہ دستور اسلاف بھی رہا ہے چنانچہ سید یداللہ صاحب نبیرہ و خلیفہ سید محمد گیسو دراز علیہما الرحمہ بھی اسی طرح اول عشق مجازی میں پھنسے تھے۔

ولادت مخدوم زادہ بندگی میاں

چنانچہ شیخ محمد منعم صاحب بہاری علیہ الرحمہ کی دختر صاحبہ سے فرزند کمال حافظ شاہ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب بروز دوشنبہ بتاریخ ۷ رمضان مبارک سنہ ۸۶۵ھ پیدا ہوئے بمقتضائے الٰہی مخدوم صاحب کے والد ماجد شیخ مگن صاحب بعمر نوے سال بیس ذی قعدہ سنہ ۸۶۹ھ کو نیز اسی سال ۱۶ ذی قعدہ کو مخدوم صاحب کے بڑے بھائی شیخ اولیا صاحب رحمۃ اللہ علیہم دار فانی سے دار باقی کو ایک ہی ماہ میں سدھارے تو ان متواتر حادثات سے اہل بیت مخدوم صاحب متوطنہ پانی پت میں ایک تہلکہ مچ گیا اور یہ نوبت ہوگئی کہ روزمرہ کی ضروریات کا بھی کوئی منتظم نہیں رہا۔ تو حسب صلاح ملک عبدالصمد قریشی بشیخ فخرالدین بن شیخ نور اولیا صاحب و صاحبزادہ شیخ عبدالرزاق صاحب مع اپنی والدہ صاحبہ کے مخدوم صاحب سے پنڈوہ آملے۔ اس قافلے کو پانی پت سے چل کر ہنوز عبور دریائے گنگا کی نوبت نہ آئی تھی کہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو بھی اخبار روانگی و پریشانی مسموع ہوئیں کچھ ہی دنوں میں یہ سب لوگ مخدوم صاحب سے آملے اس لئے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں چند سال اور قیام پذیر رہے یہ بات آگے صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ جلال صاحب علیہ الرحمہ کی منشا خود یہی تھی کہ حضرت مخدوم صاحب میرے وصال کے بعد جائیں قدرت نے ہمنوائی کی اور شیخ نے سب کو یہیں کھینچ بلایا۔

شہادت تاج بخش صاحب

مقام پنڈوہ ہی میں صاحبزادہ عبدالملک و صاحبزادہ عبدالحلیم و دختر حافظہ بی بی رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئیں بعد ازاں حضرت مخدوم صاحب نے اجازت رخصت چاہی تو حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بیٹا ابھی کچھ اور قیام کرو ارادہ تو یہ تھا کہ تم کو کبھی جدا نہ ہونے دیتے لیکن ایک ایسا واقعہ ہونے والا ہے کہ میں خود ہی جدا

ہو جاؤنگا۔ حضرت مخدوم صاحب یہ سنکر از حد مغموم ہوئے کیونکہ سمجھ گئے تھے کہ پیر و مرشد علیہ الرحمہ کی شہادت
قریب ہی چنانچہ آٹھ روز بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ جے سنگھ گورکھا جو اس طرف کا راجہ تھا فوت ہوا تو اس کے
دونو لڑکوں میں سخت خانہ جنگی حصول مملکت کیلئے ہوئی لوگوں نے بکوشش سمجھا کر اس پر آمادہ کیا کہ دونو
بھائی حضرت شیخ جلال صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں چونکہ موصوف تاج بخش ہیں جس کو اس منصب کے
قابل پائیں گے اس کے سر پر خود تاج رکھدیں گے۔ الغرض حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ نے چھوٹے
بھائی کے سر پر تاج حکومت بہ سبب حلم و لیاقت وغیرہ رکھا تو بڑے بھائی نے اس جلن پر سامان جنگ مہیا
کرکے چھوٹے بھائی اور حضرت تاج بخش علیہ الرحمہ پر دھاوا بولدیا شاہ صاحب ممدوح نے مخدوم صاحب
سے فرمایا کہ بیٹا میری شہادت قریب ہی اب میرا طریقہ تم سے جاری ہوگا اور بفضل خدا خلقت کثیر تم سے
فیضیاب ہوگی تم ہماری جائے قیام پر محافظت کیلئے ٹھہرو اور جو شہداء ہوں ان کی تجہیز و تکفین اپنے
ہات سے کرو۔ اگرچہ مخدوم صاحب نے اس پر کافی اصرار کیا کہ شاہ صاحب کے ساتھ شریک جنگ رہیں مگر
شاہ صاحب نے قیام و محافظت پر مجبور کیا پھر شاہ صاحب چھوٹے بھائی کی محافظت و مدد پر روانہ ہوئے
کافی جنگ و خونریزی کے بعد بڑے بھائی کا لشکر شکست پاکر بھاگا اور شاہ صاحب نے پھر چھوٹے بھائی کو
تخت نشین کیا اور گھر واپس آنے لگے اثنائے راہ میں ان بدمعاشوں نے جو بڑے بھائی کی طرف تھے
اور پہلے سے اسی ارادہ سے چھپ کر بیٹھ رہے تھے شاہ صاحب پر حملہ کر دیا جب اشقیا نے شاہ صاحب
کا سر تن سے جدا کیا تو کاسۂ سر سے صدائے اللہ اللہ دور کے عوام و خواص تک کو مسموع ہوئی مخدوم
صاحب نے بموجب وصیت مرشد تمامی امور ادا کئے۔ ایک روز شاہ صاحب نے مخدوم صاحب کو خواب
میں بتایا کہ آپ کی اقلیم ولایت بہ سمت مغرب ہی تو مخدوم صاحب مع متعلقین و صاحبزادگان شیخ
عبدالرزاق و حافظ شاہ عبدالرحیم و شیخ عبدالملک و شیخ عبدالحلیم و برادرزادہ شیخ فخرالدین ولی رحمۃ اللہ
علیہم شہر بہار روانہ ہوئے۔

تعمیر خانقاہ بہار

جب ورود مسعود کی خبر مسموع ہوئی تو شیخ محمد امین صاحب علیہ الرحمہ مع متعلقین استقبال
کو آئے حاکم شہر بہار میر کمال الدین خان نائب بادشاہ بنگ نے مخدوم صاحب سے
بیعت کی اور ایک قطعہ ٥٥٠ رتن پورہ نامی برائے ترویج خدا مان پیش کیا نیز ایک کشادہ خانقاہ
بھی بنوائی ابھی بہار میں تھوڑا ہی عرصہ رہا تھا کہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے عالم واقعہ میں مشاہدہ کیا
کہ حضرت شاہ جلال صاحب شہید علیہ الرحمہ غصہ ہوکر فرماتے ہیں کہ میں نے کیا کہا اور میرے بیٹے
شیخ محمد نے کیا کیا بہت سے لوگ بسمت مغرب بلدہ قنوج کے اطراف میں ایسے ہیں جن کی فیض رسانی
حق سبحانہ نے آپ ہی کے صلب کے ایک ایسے فرزند صالح پر مقدر فرمائی ہی کہ جس کے فیض عالمگیر سے
عالم فیضیاب ہوگا اور وہ کتاب و سنت کی مکمل تصویر ہوگا۔" (اس فرزند صالح سے مراد سند الاولیا غوث زماں
حضرت مولانا شیخ مرادآبادی علیہ الرحمہ ہیں۔) پس جلد از جلد وہاں پہنچو۔

چوتھا باب

قیام ملانواں

چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اسی وقت بھری برسات میں عازم سفر ہوئے چند ہی روز میں جون پور پہونچے وہاں سے بسمت مامور روانہ ہو کر قصبہ رادولی آئے تو اس وقت شیخ احمد صاحب رادولی علیہ الرحمہ کا وصال ہوچکا تھا۔ بعد فاتحہ خوانی یہاں سے روانہ ہو کر لکھنو آئے تو یہاں حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ کا بھی وصال ہوچکا تھا۔ یاد رہے کہ مخدوم مصباح العاشقین چشتی علیہ الرحمہ کا نام نامی جس طرح شیخ محمد تھا اسی طرح مخدوم شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ کا اسم گرامی بھی شیخ محمد تھا۔ اس وقت شیخ قطب الدین برادرزادہ حضرت شاہ مینا صاحب وہاں صاحب سجادہ تھے اور حضرت شاہ مینا صاحب کے بڑے خلیفہ حضرت شیخ سعد الدین بن قاضی بڈہن نامی بھی وہیں تھے ہر دو صاحبان نے تین روز ٹھہرا کر لوازم مہمان نوازی بہ طیب خاطر ادا کئے اور فیض صحبت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ سے فیضیاب ہوئے مخدوم صاحب پھران صاحبان سے رخصت ہو کر حضرت مولانا اعظم ثانی صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر ہوتے ہوئے ملانواں واقع ضلع ہردوئی پہونچے۔

کیفیت ملانواں

جس وقت نور خاں و سلیم خاں پسران بہادر خاں و شیر خاں و دولت خاں پسران معروف خاں خربلی جو رؤسائے عہدا و امرائے قنوج سے تھے کو ورود مسعود کی خبر ملی تو یہ لوگ کئی میل آگے استقبال کو آکر ملے اور حضرت مخدوم صاحب کو ملاواں کے قلعہ خام میں لاکر ٹھہرایا اس وقت ملاواں کی آبادی مختصر تھی۔ کچھ زراعت پیشہ۔ کچھ کائستھ و برہمن کچھ مسلمان کچھ شیشہ کے کام کرنے والے لوگوں کے سوا باقی قصبہ غارستان تھا۔ چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ جگہ حضرت مرشد جلال الملت والدین شاہ تاج بخش گجراتی علیہ الرحمہ کے مسکن واقع پنڈوہ سے بالکل مشابہ ہے اور وہاں کے لوگوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی سخت گو پر از نفاق و حاسد ہیں نیز حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی مقام اجودھن میں درشت گو غیر معتقدین کی آبادی میں قیام کیا تھا پس مجھے بھی اپنے اسلاف کی اتباع چاہیئے۔

زوجہ ثانیہ کا وصال

چنانچہ ملاواں میں متوطن ہوئے لیکن کچھ روز بعد حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے سوچا کہ عمال و حکام وقت بھی بہ سلسلہ نظم و نسق آکر اسی قلعہ میں ٹھہرا کرتے ہیں فقرا کو امرا کی جائے قیام سے واسطہ ہی کیا حکم دیا کہ سب سامان نکال کر آبادی کے کنارے لے چلیں پسران بہادر خاں و شیر خاں نے گو ہر چند اصرار بھی کیا مگر مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے قبول نہ فرمایا۔ اتفاقاً ایک خادم نے عرض کیا کہ مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق صاحب کی والدہ صاحبہ کی حالت نزع ہے اور عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ رو رو کر یسین شریف پڑھ رہے ہیں تو حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے مخدوم زادہ حافظ عبدالرحیم بندگی میاں و شیخ عبدالملک سے فرمایا کہ وہ بھی جاکر

انا ما ص ولیسین وسورۂ ملک پڑھیں تلقین کلمۂ طیبہ کریں تھوڑی دیر بعد بروز سہ شنبہ بعد زوال بتاریخ ۸ شوال
۸۴۶ھ حرم مخدوم صاحب کی حرم ثانی کا وصال ہو گیا اسی قلعۂ خام میں مرحومہ کا مزار ہے۔

تبدیل مکان

اس کے تیسرے روز مخدوم صاحب علیہ الرحمہ بہ نفس نفیس باپیادہ بیرون آبادی تشریف لے گئے اور اس مکان میں جو آجتک فیض بخش قلوب طالبان ہے قیام پذیر ہوئے اب اس جگہ کو درگاہ محلہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور کاغذات سرکاری میں وہ مقام محی الدین پور مکتوب ہے ملاواں کی وجہ تسمیہ بھی یہ ہے کہ یہاں کے حاکم وقت نے محی الدین پور جو مخدوم صاحب کی نذر کیا تھا اسی سے ملحق بندی پور نصرت نگر فرحت نگر نیز بھگونت نگر وغیرہ اس طرح ہیں کہ ان کی آبادیاں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں اس لئے اس حلقہ کو ملاواں کہا جانے لگا جو کثرت استعمال سے ملاواں ہو گیا۔ مکان مسکونۂ اول (قلعۂ خام) اور اسی کے پاس سرائے گو اب مسمار ہیں مگر آثار موجود ہیں اور ایک مسجد باقی ہے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک اور مسجد ہے جہاں جد مکرم غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن صاحب قدس سرہٗ یاد الٰہی فرمایا کرتے اور اپنے دوران قیام میں آپ نے اپنی ایک مسواک وہاں گاڑ دی تھی جو ایک درخت ہو گئی اور ہنوز موجود ہے۔

ملاواں میں قیام جمعہ

مخدوم صاحب جب متوطن ملاواں ہوئے تو یہ زمانا سلطان بہلول شاہ لودی کے عہد سلطنت کا تھا پس مخدوم صاحب نے مسجد خام و حجرہ برائے عبادت و مکان قیام کے لیے تعمیر کرایا اور متوکلانہ زندگی بسر کرنے لگے معتقدین جو طعام و ہدایا پیش کرتے مخدوم صاحب تین یوم کے بعد تقسیم کر دیا کرتے اس وقت تک ملاواں میں لوگ نماز جمعہ کے نام سے بھی آشنا نہ تھے چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے سلطان وقت سے اجازت لے کر سب سے پہلے ملاواں کے موجودہ مسلمانوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا۔

مخدوم شاہ صفی صاحب صفی پوری و مخدوم شیخ سعد خیرآبادی کی ملاقات

جب حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اپنے آخری سفر دہلی سے واپس ہو کر قنوج پھر تشریف لائے تو معتقدین نے باصرار قیام پر مجبور کیا۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ یہ ہمارا آخری سفر ہے سوائے سفر آخرت اب سفر نہ ہو گا آپ کے ہم عصر مخدوم شیخ اخی جمشید راجگیری علیہ الرحمہ کا وصال ان ایام میں ہوا تھا چنانچہ آپ موصوف کے مزار شریف پر برائے فاتحہ تشریف لائے اتفاق وقت کہ مخدوم شیخ سعد خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ شیخ بڈھن رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور مخدوم عبدالصمد عرف شاہ صفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار شریف قصبہ صفی پور میں ہے جو کہ گنج مرادآباد کی تحصیل اور بندرہ میل کی مسافت پر ہے) خلیفۂ اعظم شیخ سعد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خیرآبادی بھی قنوج آئے ہوئے تھے ہر دو صاحبان حضرت سیدنا مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ کی خبر آمد سنکر ملاقات کو چلے شیخ سعد صاحب علیہ الرحمہ نے چاہا کہ میں شیخ صفی صاحب علیہ الرحمہ سے پہلے ہی ملاقات کروں مگر مخدوم صفی صاحب نے اولاً پیش قدمی کی اور شیخ سعد صاحب ان کے بعد پہنچے حضرت شیخ سعد صاحب نے مخدوم

مصباح العاشقین چشتی رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھتے ہی ایک کیف وسرور میں بزبان ہندی کہا دیکھا محمد
ثانی" یہ کنایہ اپنے پیر مخدوم شاہ مینا صاحب رح سے تھا جن کا اصلی نام شیخ محمد تھا۔ اسی ضمن میں مخدو
مصباح العاشقین صاحب نے ان ہر دو ممدوحین کے لئے اپنے صاحبزادوں سے ستو طلب فرمایا۔ شیخ عبداللہ
و شیخ عبدالہادی صاحبزادگان جو ابھی نابالغ تھے سہواً بجائے ستو کے آٹا گھول لائے پہلے تو
مخدوم شیخ صفی صاحب نے ایک انگلی سے اسے چکھا پھر کہا کہ بزرگوں کی تو ہر ایک چیز تبرک ہے اور نوش
کرلیا لیکن سیدی مصباح العاشقین صاحب پر حقیقت اصلی منکشف ہوچکی تھی آپ کو فوراً جلال آگیا
یہ دیکھتے ہی مخدوم شیخ سعد صاحب نے اس جلال کو فرو کرنے کے لئے بزبان ہندی دعا دی کہ پھلواری
خوب پھلے لیکن مخدوم صاحب قبلہ جو کہ اس حرکت پر سخت رنجیدہ تھے پھر بھی یہی فرمایا کہ تسارماری
گئی" یعنی پھلواری کو پالا مار گیا مقصد یہ کہ ان سے نسل نہ ہوگی تو ہر دو حضرات ممدوحین نے بہت کچھ تالیف
قلب کی مگر رنگ جمالی آشکارا نہ ہوا تو مجبوراً پھر یوں کہا کہ اب تو یہ جلال جمال سے لازمی بدلنا ہوگا کیونکہ انہیں
سے تو وہ آفتاب ولایت پیدا ہونیوالا ہے (یعنی امام راہ عرفان غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب
قدس سرہٗ) جس سے چارسو شہرہ و فیض ہوگا۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی اس واقعہ کے بعد
مخدوم شیخ سعد صاحب رح تیسرے دن مرخص ہوئے اور آپ کے خلیفہ مخدوم صفی صاحب صفی پوری رح کچھ زائد
دن بعض لطائف باطن سے فیضیاب ہوکر بہ سمت خیرآباد روانہ ہوئے۔

سکندر شاہ لودی کی والہانہ عقیدت و اضافہ آبادی ملاواں

فتح خاں صاحب سپہ سالار لشکر کو سلطان سکندر شاہ لودی نے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں
ملاواں مع تحائف و ہدایا خاص طور سے بھیج کر یہ درخواست کی کہ حضرت والا دہلی تشریف لاکر غریب خانہ کو رونق
بخشیں اور دہلی کے بزرگان دین کی بھی زیارت کریں۔ چنانچہ فتح خاں صاحب اسی کوشش میں سات روز
ملاواں مقیم بھی رہے لیکن مخدوم صاحب نے دہلی تشریف لے جانا اس وقت قبول نہ فرمایا۔ لاچار فتح خاں
واپس دہلی گئے تو سلطان سکندر شاہ لودی نے دوبارہ عرضی ارسال خدمت کی کہ اگر اس وقت حضور عالی
قدم رنجہ نہیں فرما سکتے تو اپنے صاحبزادگان والاشان ہی میں سے کسی کو یہاں آنے کی اجازت دیکر مفتخر
فرمائیں۔ پس فتح خاں نے دوبارہ فائز خدمت ہوکر اس امر کی کوشش کی چونکہ سلطان سکندر شاہ لودی
اہل کمال کا بڑا ہی احترام کرتے تھے اس لحاظ سے مخدوم صاحب نے فرمایا کہ اگر برادر فخرالدین اولیا یا
فرزند شیخ عبدالرزاق جانا چاہیں تو ہمراہ لے جاؤ۔ لیکن یہ ہر دو حضرات چونکہ منشائے مزاج وہاج سمجھتے تھے کہ
اس میں رضائے باطنی نہیں ہے اس لئے انہوں نے بھی انکار روانگی کر دیا۔ تو مخدوم صاحب نے فرمایا کہ
انشاء اللہ تمہارے اور سکندر شاہ کا مقصد دلی قطب الاقطاب بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے عرس میں حاصل
ہوگا۔ ہاں اگر تم کو فقیر کی رضامندی اتنی ہی مطلوب ہے تو اس غیرآباد مقام ملاواں کی اضافہ آبادی کردو اور

اور آباد ہونیوالوں کی معاشی امداد بھی تو فتح خاں صاحب نے عرض کیا کہ اس امر میں حضور عالی خود ہی مختار ہیں جس شخص کی امداد معاشی یا منصبی جیسی چاہیں مقرر فرما سکتے ہیں چنانچہ باکرام ۔ قنوج . باھور وغیرہ میں بہ مشتہر شاہی طور سے کر دیا گیا کہ "ہر کہ دریں قصبہ ملاواں آباد شود بموجب تجویز حضرت مخدومی وجہ معاش او از دفتر شاہی مقرر باشد" نیز اس کی کئی نقلیں مختلف اطراف میں بادشاہ مذکور کی جانب سے سرکاری طور پر روانہ کر دی گئیں ۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اہل اسلام و دیگر اقوام بکثرت وہاں آباد ہو گئیں ۔

سفر دہلی

چوتھی ماہ سفر کو حضرت مخدوم صاحب نے یہ دہلی کا آخری سفر فرمایا جب آپ کے قدوم میمنت لزوم کی خبر فرحت اثر سلطان سکندر شاہ کو ہوئی تو چونکہ وہ خود علیل تھا اس لئے اس نے اپنے بیٹے شہزادہ ابراہیم لودی کو امراء و عمائدین سلطنت کے ساتھ استقبال کو بھیجا ۔ مخدوم صاحب رح نے باوجود اصرار قطب الاقطاب حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کی درگاہ میں قیام کیا ۔ دوسرے روز سلطان سکندر شاہ لودی مع چالیس تھان پوشاک خاصہ و زر طلائی و نقرئی و مروارید وغیرہ برائے نذر لے کر فائز خدمت ہوئے اور روزانہ تا قیام طعام و تحائف بھیجتے رہے ۔ ساتویں روز پھر سکندر شاہ لودی نے بہ نفس نفیس حاضر ہو کر عرض کی کہ اب تو قلعہ سلطانی میں تشریف ارزانی فرما کر خادم کو عزت بخشی جائے مگر پھر بھی حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے کسی طرح قبول نہ کیا پھر سلطان مذکور نے دو لاکھ روپیہ نذر کیا مگر مخدوم صاحب نے اسے بھی قبول نہ کیا ۔ اب سلطان نے خود روزانہ حاضری معمول کر لیا ۔ اور حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے عرس شریف میں بھی برابر سکندر شاہ حضرت مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر رہا کئے ۔ اس کے بعد مخدوم صاحب دربار سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ پھر نگا وحضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ تعالی علیہم میں حاضری دیکر جب واپس ہونے لگے تو سلطان سکندر نے دوبارہ دو لاکھ سکۂ طلائی بطور زاد راہ و صرف خدام ان پیش کئے مگر مخدوم صاحب نے وہ بھی قبول نہ کیا پس وہاں سے دو ماہ ۲۳ دن بعد آپ قنوج واپس ہوئے اور کچھ روز قیام کے بعد ملاواں تشریف لے آئے ۔

عقد صاحبزادگان

کچھ دن بعد موقعہ پاکر شیخ حسام الدین قنوجی نے عرض کیا کہ اگر مناسب ہو تو عقد صاحبزادگان سے سبکدوشی حاصل فرمالی جائے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں تمہاری رائے ہو وہ مناسب ہے چنانچہ مخدوم صاحب نے صاحبزادی حافظ بی بی ہمشیرۂ حافظ شیخ مخدوم عبد الرحیم بندگی میاں کو اپنے بھتیجے شیخ فخر الدین اولیا علیہ الرحمہ سے منسوب کیا ۔ صاحبزادہ شیخ عبد الرزاق صاحب رح نے اگرچہ عذر بھی کیا کہ میرا سن پچاس سے متجاوز ہوا بال تک سفید ہو گئے لیکن مرضی والد ماجد سے مفر نہ ہو سکا چنانچہ دختر شیخ فتح اللہ صاحب سے جو اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمہ سے تھے اور تھوڑے عرصہ سے موضع نیول جو گنج مراد آباد اور بانگر مئو کے وسط میں ہے سکونت پذیر تھے ۔ شیخ عبد الرزاق صاحب کا عقد فرمایا ۔ اور حافظ شیخ عبد الرحیم بندگی میاں صاحب کی خانہ آبادی محلسین قنوج کی برادری میں شیخ عبد الرحمن صاحب کی دختر نیک اختر سے اور

صاحبزادہ شیخ عبدالحلیم صاحب کی شادی قصبہ ملہور ضلع بارہ بنکی میں شیخ محمد عظیم صاحب کی دختر سے فرمائی
پھر ہر ایک کو علحدہ علحدہ مکان سکونت دیکر خود حجرہ متصل مسجد میں رہنے لگے ۔

وصال مخدوم صاحب

آپکا بیشتر وقت یاد الٰہی میں بسر ہوتا بعد ظہر و عصر درس قرآن مجید و حدیث شریف دیا کرتے ۔ ما بین عصر و مغرب اکثر مراقبہ فرماتے اور لوگ شریک حلقہ ہوا کرتے ۔ جب مخدوم صاحب کا سن شریف تنلو سے متجاوز ہوا تو گوشہ نشینی آپ نے اختیار کرلی اور وہ خرقہ خلافت جو آپ کے مرشد شاہ جلال صاحب تاج بخش علیہ الرحمہ نے مرحمت فرمایا تھا صاحبزادہ شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ کو دیکر سجادہ کیا اور اپنا ذاتی خرقہ صاحبزادہ حافظ شیخ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب علیہ الرحمہ کو مرحمت فرماکر حسب معمول اولیائے سلف ایک تحریر خلافت بھی رقم فرما دی ۔ ۲۳ جمادی الثانی سے مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کو شدت تپ زائد ہوئی اور غرۂ رجب ۹۳۹ھ بروز جمعہ بوقت چاشت آپ واصل بحق ہوئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ مخدوم صاحب نے یہ وصیت پہلے ہی فرما دی تھی کہ میرے جنازے کی نماز شیخ عبدالرزاق صاحب ورنہ پھر حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب پڑھائیں چنانچہ بعد ادائے جمعہ شیخ عبدالرزاق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ پندرہ ختم قرآن پاک حافظ عبدالرحیم صاحب نے اور پانچ ختم شیخ عبدالرزاق صاحب نے اور پانچ ختم سب سے چھوٹے صاحبزادے شیخ جلال صاحب نے جو مخدوم صاحب کی چوتھی حرم مسماۃ مونگا کے بطن سے پڑھکر ایصال ثواب کیا ۔ اول روز شیخ عبدالرزاق صاحب نے دوسرے روز حافظ عبدالرحیم صاحب نے تیسرے روز شیخ جلال صاحب نے تقسیم طعام کیا ۔ بوقت دفن مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے جنازے پر ایک ابر کا ٹکڑا چھا کر برسا جو دلیل واضح مغفرت و مہربانی کی ہے اور سید نبی صاحب نے جو روضہ تعمیر کردیا تھا اسی میں محو خواب راحت تا ایں دم ہیں ۔

کرامت جلیلہ

موجودہ سوانح حیات میں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے مدارج علیا ۔ کرامات جلیلہ و اتباع سنت و تقویٰ کی بحث ہم کو اپنے موضوع سے ہٹا دینے والی چیز ہے ۔ موصوف کے حالات خادمان ادب نے لکھے ہیں جس میں ایک کشف الظلوم ہے ۔ واقعات مذکورہ اسی لئے مختصراً ہم نے بیان کئے کہ ناظر کی خواہش تشنۂ تکمیل رہ نہیں سکتی ۔ منجملہ اور کرامات کے صرف اس کرامت پر اندازہ کیجئے جو بارات والوں کی آگے آئیگی ۔

وصال حرم سوئم

مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی حرم سوئم مسماۃ فتح ملک بنت شیخ محمد منعم بہاری (نبیرۂ زاہد شہید حق گو حضرت قطب الاقطاب شیخ شہاب الدین ثانی علیہم الرحمہ جو سب سے پہلے ہندوستان آکر بہار شریف کو وطن بنانے والے ہیں) کو جب مخدوم صاحب کے چوتھے عقد کا حال معلوم ہوا تو کافی رنجیدہ ہوئیں ۔ ایک دن جلال میں فرمایا کہ یا خدا زمین کیوں نہیں پھٹتی کہ میں سما جاوں یہ کہتے ہی زمین یکایک شق ہو گئی اور آپ اس میں تشریف لے گئیں مخدوم صاحب علیہ الرحمہ بعجلت تمام پکڑنے کو لپکے مگر زمین بند ہو چکی تھی ۔ وہیں پر اوپر سے قبر بنا دی گئی جو ملاواں محلہ

اونچا ہیں ہے۔

امتیاز آل و اولاد

اسی الفت کی بنا پر حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے یہ شرف حرم سوم کی اولاد کو اپنی حیات میں بخشا کہ حرم سوم کی اولاد اس روز سے ہمیشہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے مزار شریف یا حجرہ کے باہر بھی کوئی موقعہ کیوں نہ ہو داہنی طرف اور حرم رابع کے متعلقین ہمیشہ بائیں جانب بیٹھا کریں۔ اس شرف کی وجہ بادی النظر میں گو یہی ہے لیکن اس کی حقیقت اصلی صرف یہ ہے کہ مسماۃ فتح ملک صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کو چونکہ مخدوم صاحب کے مرشد حضرت شیخ جلال شاہ تاج بخش گجراتی رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی منظور نظر دختر بنا کر عقد فرمایا تھا اس لیے یہ شرف و امتیاز ان کی اولاد کا بھی واجد حق ہے۔

بعض حالات خاندانی

مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کا سلسلہ نسب حرم ثانی والدہ عبدالرزاق صاحب سے شروع ہوتا ہے۔ موصوفہ سے دو فرزند ہوئے جن میں بڑے شیخ عبدالرزاق اور چھوٹے شیخ عبدالملک تھے۔ عبدالملک صاحب سے شیخ عبدالبقا ہوئے جو لا ولد فوت ہوئے۔

شیخ عبدالرزاق صاحب

مخدوم صاحب کے خلف اکبر شیخ عبدالرزاق صاحب علیہ الرحمہ سے دو فرزند پیدا ہوئے جس میں چھوٹے فرزند شیخ عبدالحی عرف محمود تو لا ولد فوت ہوئے۔ بڑے لڑکے مسمی شیخ عبدالقدوس صاحب تھے جن کی دو شادیاں ہوئیں۔ عبدالقدوس صاحب کی پہلی بیوی جو دختر شیخ عبدالعزیز صاحب اولاد امیر خسرو علیہ الرحمہ سے تھیں اور موضع نیولی میں قیام تھا سے عرف شیخ حبیب اللہ ہوئے۔ حبیب اللہ صاحب کے دو لڑکے ہوئے اول فتح اللہ دوسرے فیاء اللہ۔ فتح اللہ صاحب سے شیخ دوست محمد ان سے شیخ رحمت اللہ ان سے محمد قاسم ان سے غلام اشرف ان سے غلام محمد ان سے حیات محمد پیدا ہوئے۔ حیات محمد کے دو لڑکے ہوئے پہلے محمد ابراہیم اور دوسرے محمد اسمٰعیل محمد ابراہیم سے محمد اسحٰق ہوئے باقی لا معلوم۔ اب حبیب اللہ صاحب کے دوسرے لڑکے فیاء اللہ سے شیخ حبیب اللہ ہوئے ان سے دو لڑکے اول محمد عابد دوسرے محمد زاہد ہوئے۔ محمد عابد سے غلام رسول اور ان سے مسماۃ ہندہ ہوئیں ان سے اولاد ذکور نہ ہوئی۔ دوسرے لڑکے محمد زاہد سے غلام مجتبیٰ ان سے حفیظ اللہ ان سے ایک دختر لازمہ ہو کر اولاد ذکور ختم ہوئی۔ بعد ازاں شیخ عبدالقدوس کی دوسری بیوی سے چار پسر شیخ داؤد۔ شیخ شمس الدین شیخ تاج الدین شیخ فیض اللہ صاحبان ہوئے لیکن ہم کو اپنے خاندانی شجرہ میں ان کے کتخدا ہونے کا ثبوت ملتا ہے نہ کہیں صاحب اولاد ہونے کا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ قبل بلوغ یہ فوت ہو گئے۔

شیخ جلال صاحب

مخدوم صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی حرم رابع سے پیدا ہوئے۔ شیخ جلال صاحب کی خانہ آبادی ایک عالم دین بہن کی عرفیت شیخ لادو تھی کی دختر سے مخدوم صاحب نے فرما دی تھی۔ پس شیخ جلال صاحب سے شیخ محمد ان سے شیخ مبارک ان سے شیخ کمال ان سے بر خوردار نامی ان سے مسمی شیخ میاں ان سے مسمی شاہ میاں ان سے ولی اللہ شاہ و حمایت اللہ شاہ دو پسر ہوئے ولی اللہ شاہ سے امیر اللہ شاہ ان سے تبارک اللہ ان سے امانت اللہ شاہ ہوئے۔ شاہ میاں کے دوسرے فرزند

حمایت اللہ شاہ سے مسمی تبارک اللہ ان سے احمد حسین عرف ننھوان سے فدا حسین ہوئے۔ شیخ جلال صاحب کا مزار شریف مخدوم صاحب کے حجرہ کے بائیں جانب ہے۔

مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب

ہم جہاں تک شجرہ پر غور کرتے ہیں تو طریق سلسلہ مخدوم عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمہ سے جاری نظر آتا ہے کیوں نہ ہو یہی تو وہ مبارک ہستی ہے جو اس مہتم بالشان امانت کی امین ہے جس کی بشارت شاہ جلال صاحب تاج بخش و مخدوم شیخ سعد صاحب خیرآبادی و مخدوم شیخ عبدالصمد عرف شیخ صفی صاحب صفی پوری رحمۃ اللہ علیہم دیتے آئے۔ اور یہی تو وہ وجہ ہے جس سے والدہ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کو حضرت شیخ جلال صاحب تاج بخش علیہ الرحمہ کا خاص طور پر اپنی بیٹی بنانا سعی در کمنون کے لئے تھا جو فضل رحمٰن اسم با مسمی ہو کر چمکنے والا تھا پس حرم سوئم مذکور مخدوم صاحب علیہ الرحمہ سے تین اولادیں اولاً مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں بعد ازاں صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب بعد ازاں مسماۃ حافظہ بی بی پیدا ہوئیں۔ عبدالحلیم صاحب و حافظہ بی بی کا ذکر اوپر گذرا یہاں حافظ عبدالرحیم بندگی میاں سے اب بحث ہے۔ چنانچہ آپ سے شیخ عبداللطیف صاحب جو اسلاف کے سچے خلف تھے پیدا ہوئے۔ عبداللطیف صاحب علیہ الرحمہ سے مولانا شیخ نوراللہ عرف نور محمد صاحب ہوئے جو بڑے عالم وقت و صاحب باطن گذرے موصوف سے تین صاحبزادے ہوئے (۱) شیخ محمد اسمٰعیل۔ (۲) شیخ سعد اللہ صاحب۔ (۳) شیخ کمال صاحب۔

شیخ محمد اسمٰعیل رح

صاحب علیہ الرحمہ سے تین لڑکے (۱) شیخ عبدالرحیم (۲) شیخ محمد ابراہیم (۳) شیخ عبدالفتاح اور ایک دختر ہوئی۔ شیخ عبدالفتاح تو لاولد رہے۔ دوسرے فرزند شیخ محمد ابراہیم بھی لاولد رہے۔ پہلے لڑکے شیخ عبدالرحیم سے شیخ بہاءالدین ہوئے باقی نامعلوم ہے۔ سے شیخ سعدالدین ہوئے۔

شیخ کمال صاحب رح

مولانا نور محمد صاحب کے تیسرے فرزند ہیں جن سے دو لڑکے ہوئے (۱) شیخ پیر محمد (۲) شیخ سیف اللہ۔ چنانچہ شیخ پیر محمد مسماۃ پھول بی بی بنت طاہر حسینی سے منسوب ہوئے ان کے دو لڑکے اول شیخ محمد رضا دوسرے اللہ یار ہوئے۔ شیخ محمد رضا کا عقد مسماۃ امانی بی بی ہمشیرہ قاضی محمد احسان بلگرامی سے ہوا جن سے دو لڑکے اول غلام چشتی جو لاولد فوت ہوا اور دوسرے غلام مخدوم ہوئے تیسری ایک لڑکی گلاب بی بی ہوئیں۔ گلاب بی بی بنت محمد رضا غلام یوسف کو منسوب ہوئیں۔ محمد رضا صاحب کے دوسرے لڑکے غلام مخدوم کا عقد مہرالنساء بنت شیخ محمد سے ہوا جو لاولد فوت ہوئے۔ اب شیخ پیر محمد کے دوسرے صاحبزادے مسمی اللہ یار سے ہمشیرہ شیخ عبدالرؤف بانگرموی مسماۃ راستی بی بی منسوب ہوئیں جن سے دو لڑکیاں ہوئیں اول حیات بی بی جو شیخ محمد روشن برادر قاضی محمد احسان بلگرامی کو منسوب ہوئیں ان سے ایک لڑکی مسماۃ جہاں بی بی ہوئیں جن کا عقد بہ غلام مجتبیٰ ولد احمد بخش ابن قنوجی میاں بلگرامی سے ہوا۔ اللہ یار کی دوسری لڑکی لاڈ بی بی تھیں جو شیخ محمد منعم ولد شیخ عطاء اللہ اولاد قاضی عبداللطیف سے منسوب ہوئیں دونوں دختران سے اولاد مذکور نہیں ہے۔

شیخ سیف اللہ

شیخ کمال صاحب ولد مولانا نور محمد صاحب کے دوسرے صاحبزادے سیف اللہ صاحب ہیں جن کے دو لڑکے اول شیخ محب اللہ دوسرے شیخ علیم اللہ اور ایک دختر مسماۃ فاضلہ پیدا ہوئیں۔ پس شیخ محب اللہ سے اوّل دختر مسیحا بی بی ہوئیں جن سے شیخ معظم فلشوری کا عقد ہوا اور اس دختر سے غلام حسن عرف مداری پیدا ہوئے۔ باقی لا معلوم۔ شیخ محب اللہ کی دوسری لڑکی اچھی بی بی تھیں جو قنوجی میاں بلگرامی کو منسوب ہوئیں ان سے مسمی احمد بخش ہوئے ان سے مسمی غلام مجتبیٰ ہوئے جن کو جہاں بی بی بنت حیات بی بی بنت اللہ یار صاحب مذکور منسوب ہوئیں۔ شیخ سیف اللہ صاحب کے دوسرے لڑکے شیخ علیم اللہ کی شادی مسماۃ اچپالی بی بی متوطنہ موضع نیول سے ہوئی جن سے اول فرزند دلیل اللہ اور ایک لڑکی دان بی بی ہوئیں۔ دلیل اللہ برادری نیول میں کتخدا ہو کر لاولد رہے۔ اور دان بی بی کا عقد مسمی احمد بخش بن قنوجی میاں بلگرامی سے ہوا۔

شیخ سعد اللہ صاحب

مولانا شیخ نور اللہ عرف نور محمد صاحب علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے مولانا شیخ سعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ ہیں جو بہت حلیم منکسر طینت خاموش پسند صاف گو بزرگ تھے آپ کے ایک صاحبزادے شیخ عبدالقادر اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ پہلی دختر شیخ نذیر فلشوری بلگرامی کو منسوب ہوئیں ان دختر سے نذر محمد و عطا محمد دو لڑکے ہوئے صرف عطا محمد سے ایک دختر پیدا ہوئی جو بدیع الدین کو منسوب ہو گئی۔ سعد اللہ صاحب کی دوسری دختر محمد اسحٰق بانگرموی کو منسوب ہوئیں جن سے اولاً عبدالرؤف پیدا ہوئے جو لاولد فوت ہوئے بعد ازاں ایک دختر محمد اسحٰق کے ہوئی جو شیخ پیر محمد ولد اللہ یار مذکور الصدر کو منسوب ہوئیں۔

شیخ عبدالقادر صاحب

مولانا سعد اللہ صاحب کے فرزند با کمال صوفی عبدالقادر صاحب ہیں جو بڑے عابد و زاہد تھے آپ کی دو شادیاں ہوئیں اول خانہ آبادی شاہ کافی صاحب بلگرامی صاحب باطن کی دختر مسماۃ لطیف بی بی سے ہوئی ان کے بطن سے ایک دختر مسماۃ بودن بی بی ہو کر لطیف بی بی فوت ہو گئیں بودن بی بی کی نسبت قصبہ بلہور ضلع کانپور میں برادری خطیب میں ہوئی جن سے رضی بی بی ہو کر اولاد مذکور ختم ہو گئی پس شیخ عبدالقادر صاحب صوفی کی دوسری شادی شیخ محمد ہاشم صاحب صدیقی کی دختر مسماۃ بدہو بی بی سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے اول مولانا شیخ برکت اللہ عرف بھیکا میاں اور بعد ازاں عباد اللہ صاحب ہوئے بعدہ ایک دختر مسماۃ رابعہ بی بی ہوئیں رابعہ بی بی کی نسبت شیخ سبحانی میاں ولد شیخ فیض اللہ برادر شیخ برخوردار صاحب سجادہ بلگرام سے ہوئی چنانچہ سبحانی میاں کے ایک فرزند شیخ رحم اللہ ہوئے جن کو مسماۃ رمضانو دختر محمد درویش برادر محمد زمان چشتی منسوب ہوئیں۔ صوفی عبدالقادر صاحب کے دوسرے فرزند شیخ عباد اللہ صاحب کی شادی محمد حافظ ولد محمد ہاشم صدیقی مذکور کی دختر سے ہوئی اولاد مذکور نہیں ہوئی۔

مولانا برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب

صوفی عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کے خلف اکبر

اکبر مولانا برکت اللہ صاحب درصل اسم بامسمیٰ تھے جو بڑے متوکل زندگی اکثر عبادت گذاری وشب زندہ داری سے گذارتے۔ آپ کی خانہ آبادی شیخ فیض اللہ صاحب فلسفوری بلگرامی کی دختر صاحبہ سے ہوئی جن سے اولاً ایک صاحبزادی روشن بی بی ہوئیں جن کی نسبت شیخ غلام اشرف ولد شیخ محمد قاسم اولاد مخدوم زادہ شیخ عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے ہوئی لیکن موصوفہ صغر سنی ہی میں انتقال کر گئیں۔ اس کے بعد مولانا برکت اللہ صاحب کے دو صاحبزادے اور ہوئے اول مولانا شیخ محمد فیاض صاحب دویم مولوی غلام امام صاحب شیخ رحیم الدین ولد شیخ محمد امجد متوطن ساکن بانگر مئو کی دختر مولوی غلام امام صاحب کو منسوب ہوئیں جن سے تین صاحبزادیاں (۱) نجابت بی بی (۲) راحت بی بی (۳) طلعت بی بی اور ایک صاحبزادے محمد عطاء اللہ صاحب پیدا ہوئے۔ نجابت بی بی امین الدین صاحب بانگرمئوی کو راحت بی بی غلام سرور صاحب کو طلعت بی بی ملک ولی اللہ ساکنان بانگر مئو کو منسوب ہوئیں۔ محمد عطاء اللہ صاحب اپنی اسی قرابت مذکور میں کتخدا ہوئے جن سے اول دو دختران پھر دو فرزند ہوئے محمد عطاء اللہ صاحب کی اول دختر غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قبلہ قدس سرہٗ گنج مرادآبادی کی حرم ثانی تھیں دوسری دختر صغر سنی میں فوت ہو گئیں۔ محمد عطاء اللہ صاحب کے فرزندوں میں بڑے عبدالباسط صاحب لاولد رہے اور چھوٹے عبدالباقی صاحب تھے جن کے دو لڑکے ہوئے اول عبدالباری دوسرے عبدالولی جو لاولد رہے عبدالباری صاحب کے اول چار دختر پھر ایک پسر محمد سعید ہوئے۔ اولاد لا معلوم ہے۔

مخدوم اہل اللہ میاں صاحب

مولانا برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد فیاض صاحب کی جو علم ظاہری وباطنی میں فوقیت رکھتے تھے خانہ آبادی مسماۃ کرامت بی بی دختر شیخ نور محمد صاحب بلگرامی سے ہوئی جن سے پہلے صاحبزادے غلام سرور صاحب اور دوسرے صاحبزادے مخدوم اہل اللہ میاں پھر مسماۃ ریاست بی بی پھر مسماۃ زینت بی بی پیدا ہوئے غلام سرور صاحب کے ایک صاحبزادے شیخ امیر میاں ہوئے نیز ایک دختر بھی ہو خورد سالی میں وفات پا گئیں۔ امیر میاں کی شاخ بھی منقطع النسل ہے۔ اسی طرح ریاست بی بی حضرت مخدوم سید علاء الدین صاحب سندیلوی علیہ الرحمہ کی اولاد میں اور زینت بی بی شیخ نجم الدین متوطن بانگر مئو کو منسوب ہوئیں۔ زینت بی بی سے اول امین الدین پھر منت بی بی پھر عزت بی بی تولد ہوئے۔ نجابت بی بی بنت مولوی غلام امام صاحب مذکور تو امین الدین کو منسوب ہوئیں جن سے الطاف علی وفضیلت بی بی ہوئے۔ الطاف علی سندیلہ میں مسماۃ مٹھن بنت مولوی کرامت علی سے منسوب ہوئے مگر لاولد رہے اور فضیلت بی بی شیخ انفع اللہ سندیلوی سے بیاہی گئی۔ عزت بی بی مولوی مصاحب علی سندیلوی سے منسوب ہوئیں جن سے حاجی مظفر فرزند اور پانچ دختر ہوئیں۔ حاجی مظفر سے دو دختر ہوئیں اول دختر منسوب بہ ہمشیرہ زادہ حاجی مظفر صاحب اور دوسری مسمیٰ قلندر کو جو حاجی مظفر صاحب کے دوسرے ہمشیرزادے ہیں بیاہی گئیں۔ اولاد ذکور ختم۔ اب صرف منت بی بی کا سلسلہ ہے یہ منت بی بی غلام علاء الدین علوی سے بیاہی گئیں جن سے اولاً منا بی بی پھر بدیع الدین پھر محمد انشاء اللہ پھر محمد ماشاء اللہ پیدا ہوئے۔ یہ وہی بدیع الدین مذکور العصدر ہیں جن کو عطا محمد صاحب سابق الذکر کی دختر منسوب ہوئیں یہ صاحب اولاد نہیں اسی طرح محمد ماشاء اللہ

بھی لاولد رہے۔ محمد انشاء اللہ دختر قاضی امام علی ولد قیام الدین جو ہمشیرہ مخدوم شیخ اخی جمشید علیہ الرحمہ
ہیں سے منسوب ہوئے۔ باقی رہیں متابی بی یہ شیخ وزیر علی صاحب کو منسوب ہوئیں جن سے دو دختر لطیفا بی بی
اور حکومت بی بی ہوئیں۔ لطیفا بی بی تو قاضی ناصر علی صاحب بلگرامی جو مولانا بابا علیہ الرحمہ گنج مرادآبادی کے ہمشیر
زادہ ہیں سے منسوب ہوئیں۔ اور حکومت بی بی منشی اولاد محمد ساکن ملاواں کو منسوب ہوئیں۔ جن سے دو لڑکے
ہوئے اول دیدار حسین جن کو منشی محمد رضا کی دختر منسوب ہوئیں۔ اولاد کوئی نہیں تھیں۔ اسی طرح عنایت حسین
منشی اولاد محمد مذکور کے دوسرے لڑکے تھے جن سے منشی محمد رضا پیدا ہوئے۔ منشی محمد رضا ساکن ملاواں کے ایک
دختر اور ایک پسر ہوئے دختر دیدار حسین ولد اولاد محمد کو ہوئیں منشی محمد رضا کے لڑکے منشی نیاز احمد صاحب ہیں
جن کو حضرت صاحب سجادہ حضرت مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی بڑی بہن مسماۃ عابدہ بی بی یعنی میری
حقیقی پھوپھی منسوب ہوئیں لیکن کوئی اولاد نہیں ہے اور منشی نیاز احمد صاحب بھی فوت ہو چکے ہیں۔ تفصیل
بالا واضح کرتی ہے کہ باقی جو سلسلے ہو سکتے تھے وہ کس طرح منقطع ہو چکے جو بچے وہ پھر اسی میں مدغم ہو گئے کہ
بذات خود کوئی جدا سلسلہ جاری ہے نہ باقی جس سے مولانا بابا علیہ الرحمہ سے تعلق ثابت کیا جا سکے ہم اپنے ہوش
سے خود دیکھتے اور اس سے پہلے سنتے آئے ہیں کہ کوئی مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نت داماد کوئی بھتیجہ کوئی بھانجا
بنتا ہے اور توڑ مروڑ کر اپنا تعلق اپنا الو سیدھا کرنے کو ملا کر بیٹھتا ہے اور مریدین بہ سبب لاعلمی ان گندم نما جو
فروشوں اور دزد چراغ بکف کے دام تزویر میں آ جاتے ہیں۔ کم از کم یہ تفصیل مریدین کو اس پرفریب جال سے تو
بچا سکیگی۔ پس بھیکا میاں صاحب کے دوسرے صاحبزادے مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب علیہ الرحمہ
ہیں موصوف کی خانہ آبادی مسماۃ محترمہ بصیرت بی بی صاحبہ بنت سید رحمت اللہ شاہ صاحب جو دادھیالی
شور سے اولاد خاص مخدوم سید علاء الدین صاحب سندیلوی علیہ الرحمہ سے ہیں سے ہوئی مخدوم صاحب سندیلوی
کا نسبی تعلق سید نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی علیہ الرحمہ سے ہے۔ نیز بصیرت بی بی صاحبہ علاوہ دادھیالی نسبِ
سادات کے اپنے قریبی نسب ننھیالی سے تو اولاد خاص حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی و اولاد
خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہما سے ہیں موصوفہ بی بی کے بطن مبارک سے اولاً مسماۃ جمعیت
بی بی پیدا ہوئیں اور ان کے اٹھارہ برس بعد جدا مجد قبلہ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ پس جمعیت بی بی
صاحبہ شیخ زین العابدین بن قاضی اسد علی بن قاضی احسان صاحب بلگرامی سے اپنی برادری قدیم میں منسوب
ہوئیں جن سے ناصر علی صاحب قاضی بلگرامی پیدا ہوئے اور موصوف کو غلام علاء الدین علوی کاکوروی کی دختر مسماۃ
لطیفا بی بی منسوب ہوئیں جن کا ذکر گذر چکا۔ پس اب مخدوم صاحب علیہ الرحمہ تک یہ سلسلہ نسب یوں ہوگا
کہ غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن بن مخدوم شاہ اہل اللہ میاں بن مولانا شیخ محمد فیاض صاحب بن
مولانا شیخ برکت اللہ عرف بھیکا میاں صاحب بن مولانا صوفی عبدالقادر صاحب بن مولانا شیخ سعد اللہ
صاحب بن مولانا نور اللہ عرف نور محمد صاحب بن شیخ عبداللطیف صاحب بن مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم
بندگی میاں بن مخدوم شیخ محمد معروف بہ مصباح العاشقین چشتی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ گویا نو پشت

گذر کر دسویں ذات گرامی مخدوم صاحب کے بعد مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ (۷) ہے ۱۲۰۸ھ میں سے ۹۶۹ھ گھٹا دیا جائے تو دو سو ۲۶۹ انہتر آتا ہے یعنی مخدوم صاحب کے ۲۶۹ سال بعد آپ کی ذات فیض بخش قلوب طالبان ہوئی

پانچواں باب

بشارت و پیدائش

مولانا بابا کے والد ماجد عارف باللہ مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب حضرت بقیۃ السلف والخلف قطب دوراں مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہم کے مرید خاص تھے اور خود حضرت شاہ صاحب قبلہ اہل اللہ میاں صاحب کو بے حد عزیز و محبوب رکھتے تھے اور بہت کم جدا ہونے دیتے (۱) ایک مرتبہ شاہ اہل اللہ میاں صاحب اپنے مرشد شاہ صاحب قبلہ کی پشت مبارک مل رہے تھے یکایک وہ خلش جو فرزند نہ ہونے سے اکثر دامنگیر رہا کرتی پھر عود کر آئی کیونکہ آپ کی دختر صاحبہ جمعیت بی بی کو پیدا ہوئے اٹھارہواں ۱۸ سال تھا حضرت شاہ صاحب قبلہ نے یہ کیفیت ازروئے کشف معلوم کر کے متبسم ہو کر فرمایا کہ کیوں میاں اہل اللہ کس فکر میں ہو شاید خلش اولاد ہے پھر خود حکم دیا کہ اچھا اب تم اپنے مکان جاؤ تم کو پروردگار عالم ایک ایسا فرزند عطا فرمائیگا جو مثل آفتاب دنیا میں روشن ہو گا جس کا فیض مشرق سے مغرب تک ایسا روشن کر دیگا اس کے سامنے دیگر ستارے ماند ہونگے ان کا نام فضل رحمٰن رکھنا۔ (۲) چنانچہ شاہ اہل اللہ صاحب اپنے مرشد سے رخصت ہو کر مکان مسکونہ واقع سندیلہ واپس آئے اور یکم ماہ رمضان مبارک ۱۲۰۸ھ بوقت صبح صادق اس مادر زاد قطب و لایت علیہ الرحمہ نے قدوم میمنت لزوم سے عالم کو فیض بخشا۔ (۳) مخدوم اہل اللہ میاں فرط ابتہاج میں اسی ہفتہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو لے کر لکھنؤ حضرت شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے مخدوم عبدالرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ نے مولانا بابا کے کانوں میں بطریق مسنونہ آذان و اقامت کہی اور بے حد دعاؤں سے واپس کیا (۴) تیسری برس کا آغاز تھا کہ مولانا بابا کو لے کر مخدوم اہل اللہ صاحب پھر مخدوم عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی خدمت میں گئے تو آپ نے بہ کمال محبت رسم بسم اللہ ادا فرمائی۔

اسم مبارک

میرا اصلی مقصد اس سوانح حیات کی تصنیف سے یہی ہے کہ وہ واقعات جو مریدین میں غلط مشہور اور بعض مریدین کی کتب مؤلفہ میں غلط مسطور ہیں ان کی صحت ہو جائے۔

(۵) نام نامی بلا الف و لام کے فضل رحمٰن صحیح ہے چونکہ یہ نام تاریخی ہے اس کے عدد نکالنے سے ۱۲۰۸ھ نکلتا ہے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی عرفیت بھولے میاں تھی کیونکہ آپ اپنی ہمشیرہ کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد پیدا ہوئے والدین دُلار میں داد مجہول کے ساتھ بھولے میاں کہتے تھے کہ بُھولے سے آگئے۔ (۶) اس ثبوت کے بعد دوسرا ثبوت خود حضرات مریدین ہی کے پاس موجود ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے مکتوبات تو سب ہی مؤلفین نے شائع کئے اور مریدین نے محفوظ رکھے۔ مگر کوئی صاحب ان مکتوبات میں سوائے فضل رحمٰن کے فضل الرحمٰن پیش نہیں کر سکتے صفحہ ۷۱ امیں وارث صاحب کی یہ ہمارے قابلیت فہم سے بالاتر ہے کہ "اگر الف و لام نہ ہو تو بارہ سو آٹھ

ورنہ الف کا ایک عدد ملاکر ۱۲۱۴ھ نکلتے ہیں؛ غور فرمایئے تنہا الف کا عدد الف ولام دو حروف کو مان کر جوڑنا نرالی قابلیت نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک فاش غلطی

سخت افسوس یہ دیکھکر ہوتا ہے کہ صاحب کمالات رحمانی صفحہ ۵ پر ناقل کہ اور بروایت حضرت احمد میاں صاحب سجادہ نشین ۱۲۱۳ھ میں مقام ملاواں میں پیدا ہوئے" دوسری طرف یہ بھی دعوا کیا ہے کہ آپ کا نام نامی تاریخی ہے۔ تاریخی نوعیت فضل رحمن کے عدد ۱۲۱۳ھ ہو ہی نہیں سکتے۔ (۷) بروایت دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ ۱۲۱۳ھ سال پیدائش بھی نیز میرے والدین صاحبان کو کسی عاضر ذرائع سے مسموع نہیں۔ بلکہ ۱۲۰۸ھ نام نامی سے روایات سے ہماری نسبی معلومات سے بالتواتر ثابت ہے۔ (۸) اسی طرح مقام پیدائش بھی کتاب مذکور میں صحیح مکتوب نہیں ملاواں مقام ولادت غلط ہے بلکہ بموافق ارشاد حضرت صاحب سجادہ مدظلہ مقام پیدائش سندیلہ ہی اصح ترین ہے۔ (۹) علی ہذا القیاس بعض مریدین کی خواہش پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے "برائے امر خیر اجازت دادم" تحریر فرما دیا۔ کتب سالقہ مروجہ میں بڑے کروفر سے اس کو خلافت نامہ لکھ مارا۔ حالانکہ افسوس بس اس لاعلمی پر اور بھی ہے کہ ان لوگوں کو اجازت وخلافت کا بھی فرق نہیں معلوم ہے۔ امر خیر کی اجازت کبھی خلافت نامہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ (۱۰) اسی طرح درس حدیث بھی غلط مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ مرشد کی عنایات حسب توفیق اور ساقی کا کرم بقدر ظرف ہمیشہ رہا ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ خدمت گرامی میں نقادان فن جید علماء کا ہجوم رہا کرتا۔ بڑے بڑے فارغ التحصیل فائز خدمت ہوتے تو یہاں جو فیضان نور حدیث اور حقائق ودقائق کے بحر ذخار موجزن دیکھتے تو اس تصویر اتباع سنت کے نو گرویدہ ہو جاتے جذبۂ شوق ستاتا تمنائیں چٹکیاں لیتیں کہ اکتساب علم وفیض کیا جائے۔ پس مولانا بابا علیہ الرحمہ مشتاقوں کو اس کا موقعہ دیتے کسی کو تبرکاً حدیث مسلسل بالاولیت ہی سے نوازتے کسی کو دو ایک اسباق کی شرکت کی سعادت ملتی اور کبھی کوئی ایک یا دو پارے تک شرکت کر لیتا۔ کیا ایسی شرکت درس حدیث پر کسی قسم سے لکھا لینا کامل سند حدیث کہلا سکتی ہے بذمۂ ناظر اس کا فیصلہ ہے۔ کتب مروجہ میں ایسی ہی شرکت درس پر سند حدیث مولانا بابا علیہ الرحمہ سے منسوب کی گئی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان علماء نے ناقدین کو کسی موقعہ پر شرکت درس کا اور کبھی قاری بننے کا ورنہ اکثر سامع رہنے کا نمایاں شرف ملا ہے۔ (دیکھو روایت (۳۹))

ضروری ہدایت

یہاں یہ ضروری تصحیح بھی ہدایتاً واجبی ہے کہ بعض لوگ رحمٰن کو رحمان الف کے ساتھ خصوصاً لکھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم شاہد عادل ہے کہ قل ادعوا اللّٰہ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اگر یہ اسم رحمٰن بھی اسم اللّٰہ کی طرح ذاتی نہ ہوتا تو نہ اس تخصیص سے یہاں لایا جاتا نہ اسم ذاتی کے ساتھ اس سے متعارف کرایا جاتا۔ اسی بناء پر علماء نے تصریح کی ہے کہ مسیلمہ کذاب کا نام رحمان تھا اس فرق کو ممتاز رکھنے کے لئے رحمٰن بلا الف لکھنا ہی صحیح ہے۔

تعلیم

مولانا بابا علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم کچھ سندیلہ اور کچھ ملاواں میں ہوئی۔ (۱۱) مگر شرح ملا

شرح جامی۔ کافیہ یعنی نحو و صرف و تفسیر و کلام و فقہ وغیرہ کی تکمیل مولوی مولانا نور صاحب ولد مولانا انوار صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہما سے ہوئی۔ موصوف نے پہلی ہی نظر میں بھانپ کر بکمال محبت تکمیل درسیات کرا کر تعلیم حدیث شریف کے لئے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔ عام طلباء کا جتنا درس پندرہ بیس روز میں ہوتا آپ ایک وقت میں ختم کرتے۔ جس کی وضاحت خود ممدوح الشان کی زبانی سنئے۔ (۱۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تکملہ حدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ہوا۔ استاد بلند نظر نے نگاہ اولیں میں مے نافت ستارۂ بلندی کو دیکھا اور انتہائے محبت سے درس حدیث شروع کر دیا۔ ابھی کچھ ماہ ہی گذرے تھے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اپنی والدہ ماجدہ کی تنہائی کی وجہ سے واپس ملاواں ہونا پڑا۔ (۱۳) دوبارہ جب آپ پھر دہلی تشریف لے گئے تو مکمل تکملہ حدیث ہو گیا گو شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ آپ کو کچھ ماہ اور روک کر خود آپ سے درس دلوانا چاہتے تھے مگر اولاً آپ کی والدہ کی تنہائی دوسرے حسن حقیقی کی جستجو اور ہی چیز کی مقتضی تھی اس لئے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ان علوم سے فراغت فرمالی

بچپن سے شوق ریاضت

مولوی حیدر علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت مرشد محبوب حبیب الخلاق خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ ملاواں میں رہا کرتے۔ (۱۴) ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ نے تین چار برس کی عمر ہی میں خلیفہ موصوف سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ گردن کیوں جھکا لیا کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ بیٹا ذکر الٰہی کرتا ہوں مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارا بھی جی چاہتا ہے ہم کو سکھا دو خلیفہ صاحب نے آپ کا کمال ذوق اس بچپن میں دیکھ کر سینے سے لپٹا لیا اور فرمایا کہ تم روز آیا کرو ہم بتا دیا کریں گے چنانچہ ذکر نفی و اثبات و پاس انفاس و طریق مراقبہ بتا کر توجہ میں بٹھانا شروع کیا تو چند ماہ ہی میں شاہ حیدر علی صاحب کے احاطۂ قوت سے آپ کی روحانی باہر ہو گئی تو میاں حیدر علی شاہ نے دہلی حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جانے کی ہدایت فرمائی۔

تنہائی اور بے بسی

(۱۵) ابھی آپ کی نو برس کی بھی عمر نہ ہو پائی تھی کہ سر سے سایۂ پدری اٹھ گیا۔ تنہا والدہ مشفقہ کفیل رہ گئیں لیکن آپ کی افتاد طبع کچھ اس طرح قسام ازل نے رکھی تھی کہ امور خیر کا شوق۔ مذموبات سے تنفر۔ بچپن میں بھی خیال تقویٰ و خدا ترسی و احتیاط طہارت آپ کی عادت ثانیہ تھی۔ عموماً بچوں کا وقت بہ تقاضائے سن کھیل میں صرف ہوتا ہے لیکن فطرت الٰہی کے ماتحت اس کی ضرورت کبھی نہ پیش آئی کہ آپ کو کسی بات سے روکا جاتا بلکہ خود آپ ایسے امور کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے تھے۔ وقت سے پہلے مکتب جانا۔ خدمت گذاری والدہ میں امور متعلقہ پہلے ہی انجام دے لینا۔ عبادت کے لئے پہلے سے طیار ہو جانا آپ کا امتیازی خاصہ تھا آثار درزاد قطبیت پیدائش کے وقت سے واضح تھے ارواح قدسیہ کی اسی وقت سے زیارت ہوتی وہ توجہ دیا کرتیں حوران جنت کا کاشانہ فقر پر اجتماع رہتا لوگ دیکھ لیتے تو متعجب ہوتے۔ مقبولیت الٰہی اس درجہ حاصل تھی کہ بچپن میں بھی جس سے بھی جس کسی بات کو فرما دیتے اسے سر مو فرق کرنے کی جرأت نہ

ہوتی تھی۔ بلوغ کا وقت آتا ہے تو آپ ایسے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں کہ جوانی دیوانی کی جو مثل مشہور ہے یہاں غلط نظر آتی ہے کیونکہ یہ وقت تحصیل علوم ظاہری و تکملہ باطنی و تہجد و عبادت گذاری میں گذرتا ہے یہ پاکیزہ جوانی عشق الٰہی سے مملو و مرصع ہو کر نکھرتی ہے اور تیرہواں سال شروع بھی ہونے نہ پایا تھا کہ آپ مرشد کامل نظر آتے ہیں یہ سارا جوش جوانی جذبۂ رہنمائی و ہدایت عفت و عصمت ذکر و شغل و اتباع سنت پر وقف ہو جاتا ہے (۱۶) عسرت کا یہ عالم تھا کہ دو دو وقت یوں ہی گذر جاتے مگر تحصیل علم و کسب خیر کا وہ شوق بے پایاں تھا کہ بھوک و پیاس و اخراجات کی مطلق فکر نہ تھی۔ چارہ ساز بالفکر کارما پر نظر رہتی۔ چنانچہ ہوتا بھی یہی کہ مسبب الاسباب خود ہی اسباب فراہم کر دیتا۔ طالب علمی میں پیسہ پاس نہیں خورد و نوش کا پتہ نہیں لیکن وقت پر کبھی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کبھی حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما کے وہاں سے خود طعام کے لئے کہہ دیا جاتا۔

طفلی اور احتیاط اتقا

(۱۷) جس دن مولانا بابا علیہ الرحمہ رونق افروز عالم دنیا ہوئے تو آپ نے تین دن تک بہ سبب حرمت رمضان مبارک بطن مادر سے دودھ نوش نہ فرمایا بعد ازاں صرف حصۂ شب میں دودھ نوش فرماتے۔ صاف ظاہر ہے کہ احکام شریعت کی اتباع و پاس حرمت مبدأ فیاض نے آپ میں فطرتاً ودیعت فرمائی تھی۔ (۱۸) جس روز قرآن کریم کے درس میں سورۂ مریم کا یہ سبق آیا وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب تین برس کے تھے تو اسی وقت سے ڈھیلے (کلوخ) لیا کرتے۔ (۱۹) پھر آپ نے بیان فرمایا کہ ہماری بہن جو ہم سے اٹھارہ برس بڑی تھیں وہ نیز ہماری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ ہم تین برس کی عمر سے وضو کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (۲۰) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم جب سات برس کے ہو گئے تو ہم نے ہمیشہ ہوش سے نماز ادا کی۔ (۲۱) خود بیان فرمایا کہ دس برس کی عمر سے بحمد اللہ ہماری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ ہم ایسے ویسے نماز نہ پڑھتے بلکہ اس عمر سے باجماعت پڑھتے رہے۔ یہ ارشاد فرما کر خاموشی کا بھی اشارہ فرمایا۔ سبحان اللہ ذٰلِكَ عَلَى التَّقْوٰى کے یہی تو معنی ہیں جو بلاشک ایک پیدائشی قطب کا مخصوص حصہ ہے مَنْ سَعِدَ سَعِدَ فِي بَطْنِ أُمِّهٖ نیک بخت کی نیکیاں تو شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

شوق عبادت و دانائی

فطرتاً بچوں کو کھیل کی عادت ہوتی ہے (۲۲) مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ سے جب ہم سن بچے کھیلنے کو کہتے تو آپ ان سے فرماتے کہ ہم کھیلنے کو نہیں بنائے گئے۔ (۲۳) کم سنی سے آپ کو شوق نماز بے حد تھا۔ ایک مرتبہ اہل محلہ کی عورتیں آپ کی بھولی بھالی پیاری پیاری مگر عاقلانہ باتیں سننے آئیں آپ کو تلاش کیا تو نہ ملے کسی نے اتفاقاً اندرون کوٹھری جا کر دیکھا تو آپ نماز میں مصروف تھے۔ نوافل نیز تہجد آپ کا محبوب شغل طفلی سے تھا اور اکثر اوقات آپ چھپ چھپ کر نماز ادا فرماتے۔ (۲۴) عموماً بچوں میں کسی بات کی سمجھ نہیں ہوتی مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ کی طفلی کی گفتگو جب لوگ سنتے تو دنگ رہ جاتے یہ معلوم ہوتا جیسے کوئی سن رسیدہ گفتگو کر رہا ہے۔ (۲۵) دو

ڈھائی سال کی عمر سے آپ نے بولنا شروع کیا لیکن جو کلمہ بھی آپ بولتے وہ انتہائی پر معنی ہوتا۔ گفتگو میں خاص کشش رہا کرتی۔

کشف طفلی

(۲۶) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کشف قبور ہم کو بچپن سے حاصل تھا۔ ایک شخص کی وفات ہوئی تو ہم ان کی قبر پر گئے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی لونڈی پر کبھی ڈھول دھپہ کر دیا کرتے تھے پھر ہم ان کی لونڈی کو قبر پر لے گئے اور تبلایا کہ یوں کہو کہ جو کچھ انہوں نے ہم سے بے ادبی کی ہے ہم نے معاف کی لونڈی نے یہی کیا پھر ہم نے اس لونڈی سے کچھ پڑھ کر بخشند ینے کو کہا اس نے بخشا تو ان کا حال اچھا ہو گیا۔

فضیلت عہد طفلی

(۲۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ جب میں حضرت مخدوم شیخ عبدالرحمن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہما کے پاس گیا تو آپ سے دور بیٹھا کیونکہ لوگ آپ سے دور بیٹھا کرتے تھے لیکن موصوف نے اشارے سے پاس بلا کر مجھ کو اپنی مسند پر بیٹھا لیا لوگوں کو بڑا تعجب ہوا باوجودیکہ موصوف کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے اور میں کم سن تھا مگر مجھ کو آگے کیا اور میرے پیچھے نماز پڑھی اور لوگوں سے میرے متعلق بڑی بڑی باتیں کہیں۔ (۲۸) خود ارشاد فرمایا کہ ہم کو بچپن میں حضرت مجدد الف ثانی توجہ دیا کرتے رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ بھی ظہور رہا کہ ہم مجدد صاحب کے خلفاء مثل شاہ غلام علی صاحب اور مجدد صاحب علیہ الرحمہ کی اولاد سے بھی ملے جیسے ہمارے حضرت مرشد صاحب کہ ان کی اولاد سے بھی ملے اور ان کے خلفاء سے بھی۔ (۲۹) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو لڑکپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زیارت ہوا کرتی۔

کرامت طفولیت

(۳۰) ایک مرتبہ قیام ملاواں میں مولانا بابا سڑک پر کسی طرف جا رہے تھے کہ اچانک بیل گاڑی آ گئی اور آپ اس کے نیچے اس طرح آ گئے کہ بیل گاڑی کا پہیہ سینہ و سر سے ہوتا ہوا نکل گیا مگر یہ شان کرامت تھی کہ آپ کو ذرا بھی گزند نہ پہونچا صرف اتنا ہوا کہ ایک کان کی لو (کچیا) پہیئے سے کٹ گئی جس کو حاضرین خدمت نے بھی دیکھا ہے۔

حسن تقویٰ

(۳۱) ایک مرتبہ مخدوم اہل اللہ میاں صاحب کی مولانا بابا رحمۃ اللہ علیہما انگلی پکڑے کسی طرف جا رہے تھے اثنائے راہ میں آپ کے والد صاحب نے ایک شاداب کھیت دیکھا تو اس میں کی ایک بالی توڑ کر اس کی بھلت و شادابی پر خوش ہونے لگے جب آگے چلنا چاہا تو مولانا بابا نے آگے چلنے سے انکار کیا آپ کے والد ماجد سمجھے کہ بچہ شاید تھک گیا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کھیت کے مالک کی بغیر اجازت آپ نے بالی توڑی ہے یہ حق العباد ہے اس کا مالک جب تک اجازت نہ دیگا میں نہ جاؤں گا اسی درمیان میں کھیت کا مالک بھی آ گیا یہ گفتگو سن کر وہ بولا کہ میاں یہ بھی تو تمہارا ہی ہے اور لے لو۔ سبحان اللہ یہی وہ چیزیں ہیں کہ ہر دل یہ بول اٹھتا ہے کہ آپ کی شان ولایت و علوئے نسبت و حسن التقا ورفعت مدارج دراصل وہبی اور من جانب اللہ ہیں۔

پیغمبرانہ توکل کی مثال

(۳۲) مخدوم شاہ اہل اللہ میاں صاحب علیہ الرحمہ خود بڑے متوکل صاحب باطن تھے حتیٰ کہ آپ کے وصال کے بعد دو کپڑے بھی نہ نکلے اسی طرح مولانا بابا علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا خود بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں اکثر حدیث شریف پڑھا کرتیں آخر عمر جو نفل تک تک تھی ایک سو نفل سے کم نہ پڑھیں جب عسرت یا تکلیف ہوتی تو سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے اور فضل ہی فضل ہو جاتا جیسا آگے آتا ہے۔

(۳۳) مولانا بابا علیہ الرحمہ کے زمانے میں جب قحط پڑا تو آپ کی والدہ محترمہ نے گھر کا دروازہ بند کر دیا کہ کسی کو حال کی خبر نہ ہو حالانکہ آپ کے قریبی عزیزوں میں کافی عزیز ایسے خوش حال تھے جن سے مالی امداد کی اجازت شرعی ہے لیکن آپ درختوں کے پتے، جو گھر کے پیڑ میں تھے اور اس کی چھال ابال کر خود بھی کھاتیں اور مولانا بابا علیہ الرحمہ کو بھی کھلاتیں جو صغر سنی کے باوجود بڑے صبر وشکر سے تناول فرما لیتے اور بجز خدا کے کسی کا بھروسہ نہ کرکے پیغمبرانہ صبر وتوکل کی ایسی غیر فانی مثال پیش کرتے ہیں جو فقید المثال ہے۔ ان اوقات میں جب غلبۂ بھوک ستاتا تو آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہوکر تسکین خاطر کرتے۔ ہم کو افسوس ہے کہ آپ کے بچپن کے واقعات ہم بالترتیب بیان نہیں کرسکتے کیونکہ اکثر زبان مبارک ہی سے مسموع ہوئے ہیں پس ضمناً ان واقعات کا ذکر کرنے پر مجبور رہیں۔

کیفیت حصول تعلیم حدیث

آپ کا سفر وہ سفر نہ تھا جو اس زمانہ کی تکالیف سفر کے باوجود زادِ راہ ہونے سے قدرے تشفی بخش ہو جاتا تھا بلکہ آپ بھوک وپیاس خندہ پیشانی سے تحصیل علم کے لئے برداشت فرماتے۔ نہ زاد راہ ہے نہ پاس پیسہ ہاں مجبور خود معذور مگر کسب خیر کا جذبہ کشاں کشاں صعوبت سفر کو راحت بنائے ہے پیسے دو پیسے کے چنے بھلا کیا کفائت کرسکتے ہیں لیکن خلاق عالم نے خلق خدا کی رہنمائی کی جو خدمت آپ کے لئے وقف کردی تھی اس لئے یہ ظاہری تکالیف آپ کے عزم وولولہ کو ڈگمگا دینے کی مجال نہ رکھ سکتی تھیں۔ (۳۴) ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے دور طالب علمی کا تذکرہ فرمایا کہ ہمارے استاد مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ مجھ سے بے حد پیار وقدر ومنزلت فرماتے اور جب درس میرے قیام دہلی میں فرماتے تو جب تک آواز دریافت نہ فرما لیتے کہ مولوی فضل رحمن آگئے اور میں خود نہ بولتا اس وقت تک شروع ہی نہ فرماتے۔ (۳۵) فرمایا کہ دوران درس میں اکثر مجھے تنہا درس دیتے اور بیچ بیچ میں مجھ سے پوچھتے جاتے کہ تم اس کا مطلب سمجھ گئے جب تک میں ہاں نہ کرتا آگے نہ بڑھتے۔ اور اگر کبھی مجھے دیر ہوتی تو حضرت شاہ صاحب جب تک میں نہ آتا انتظار فرمایا کرتے (۳۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ جو کتابیں لوگ دو دو برس میں پڑھتے ہم بفضلہ پندرہ دن میں ختم کرتے پندرہ روز میں ہم نے بخاری شریف ختم کی بجز میرے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کسی اور کو میرے ساتھ درس میں شریک نہ کرتے البتہ کبھی اپنے داماد سید ظہیر الدین شہید علیہ الرحمہ کو بٹھلا لیتے۔ (۳۷) پھر ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب دہلوی اگر مجھ کچھ بتلانا چاہتے تو میں کہہ دیتا کہ حضرت مجھے سب معلوم ہے کہیں کہیں ان

کی خاطر سے سن بھی لیتا۔ غور کیجئے اس وہبی تعلیم اور علم لدنی کا کچھ ٹھکانا ہے یہ روایت شاہد عادل ہے کہ بعض لوگوں نے جو دوسرے لوگوں کو مولانا بابا علیہ الرحمہ کے ہم سبق گنا ہے سراپا غلط ہے بلکہ یہ تو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی کمال دقت نظری تھی کہ کسی اور کو مولانا بابا کا ہم سبق اس لئے نہ ہونے دیتے تھے کہ نہ اس میں یہ ملکہ تھا نہ یہ قوت۔ دیکھو روایت (۱۵۸)

علوئے شان علم

(۳۸) ایک روز ایک مولوی صاحب لکھنؤ سے حاضر آئے ان کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں عرض کیا گیا کہ انہیں مولوی کے بیٹے ہیں۔ تو مولانا بابا نے ان سے دریافت فرمایا کہ کچھ پڑھتے بھی ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں شرح جامی پڑھتا ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ غیر منصرف کی بحث کے کچھ اشعار پڑھو وہ خاموش رہے تو پھر خود آپ نے ایک شعر پڑھکر ارشاد فرمایا کہ اس کے اوپر پڑھو وہ بھی نوجوان کو یاد نہ آیا تو پھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم جب لکھنؤ میں شرح جامی وغیرہ پڑھتے تو اس طرح نہ پڑھتے جیسے لوگ آج کل پڑھتے ہیں بلکہ دو دو جز پڑھتے ۱½ جز سے کم تو کبھی پڑھا نہیں بلکہ ہم کو ان مصنفین کتب سے فیض آتا تھا۔ ایسے ہی ھدایہ شرح وقایہ وغیرہ بھی۔ پڑھنے بیٹھتے تو اس طرح کہ بعد عشا بیٹھے تو تہجد تک پڑھا اور بعد اشراق بیٹھے تو ظہر تک پڑھا۔ خدا کی شان کہ بڑے بڑے لوگ جیسے مولوی انوار صاحب ہم کو اپنی مسند پر بٹھاتے۔ (۳۹) سند حدیث کے ذکر پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سند سے کیا ہوتا ہے جب تک علم نہ ہو پھر فرمایا کہ جب ہم دہلی گئے تو لوگوں نے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے کھڑے لکھوائے ہم سے بھی لوگوں نے کہا کہ تم بھی لکھوا لو تو ہم نے کہا استغفر اللہ سند لکھوانے سے ہوتا کیا ہے پھر جب ہم اپنے گھر (گنج مراد آباد) آئے تو جنہوں نے کھڑے لکھوائے تھے انہیں لوگوں نے ہم سے پھر آکر پڑھا پھر فرمایا ؎ ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ٭ الا حدیث دوست کہ تکرار میکنیم۔ **ازالۂ شک**۔ بعض لوگوں نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا درس حدیث مولانا شاہ اسحٰق صاحب سے پڑھنا تحریر کیا ہے یہ غلط ہے۔ (۴۰) کیونکہ جو دور طالب علمی مولانا بابا علیہ الرحمہ تھا وہی مولوی محمد اسحٰق صاحب کا تھا چونکہ مولانا بابا جملہ سات مرتبہ دہلی آئے گئے اور آپ کو حدیث شریف سے عشق تھا پس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد مولانا بابا اور مولوی محمد اسحٰق صاحب نے آپس میں دورہ کیا کہ کبھی وہ قاری یہ سامع کبھی یہ سامع وہ قاری ہاں مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی اس وقت مولوی محمد اسحٰق صاحب سے درس لیتے اور شریک دورہ بھی ہوئے۔ پھر روایت ۳۷ سے یہ ثابت ہو چکا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا اور کوئی شریک درس نہ ہوا کرتا تو یہ گنجائش بھی ختم ہو گئی کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب شریک درس مبادا ہوتے ہوں۔ اس دورہ کی واضح اور معقول وجہ یہی ہے کہ جو شرف تعلیم حدیث مولانا عبدالعزیز صاحب سے مولانا بابا کو حاصل تھا کہ کوئی شریک درس نہ کیا جاتا گو کبھی سید ظہیر الدین شہید کو یہ سعادت مل جاتی لیکن یہ بات مولوی محمد اسحٰق صاحب کو بھی حاصل نہ ہو سکی تھی اس لیے آپ نے چاہا کہ مولانا بابا سے دورہ کر کے برکت حاصل کی جائے ادھر مولانا بابا کے عشق حدیث نے حدیث دوست کی تکرار پر اکسا دیا دورہ ہوا اور دونوں کی

تمنا بار ور ہوئی کیونکہ مولوی محمد اسحٰق صاحب پر کسی طرح بھی مولانا بابا کا یہ شرف امتیازی پوشیدہ رہ نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد کی ملاقاتیں اس کا کھلا ثبوت ہیں کہ میلاد شریف تک میں ہر دو حضرات ساتھ جایا کرتے۔ (۴۱) مولانا بابا علیہ الرحمہ کے روئے مبارک پر حدیث پڑھتے وقت نور حدیث درخشاں رہتا۔ چنانچہ خود آپ نے بیان فرمایا کہ جب میں حدیث شریف پڑھ کر حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں جایا کرتا تو حضرت مرشد فرماتے کہ اللہ اللہ یہ نور حدیث۔ روایات بالا بتاتی ہیں کہ یہ ایسی وہبی اور من جانب اللہ تعلیم خصوصی تھی جس میں نہ کسی کا دخل تھا نہ اختیار۔ بلکہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

کمال علم قرأت

(۴۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر شہر میں ایک بھی ایسا قاری ہو جو شائق قرأت جانتا ہو تو تمام شہر والوں پر سے فرض ساقط ہو جاتا ہے پھر ارشاد فرمایا کہ باوجودیکہ ہم لڑکے تھے لیکن فرنگی محل کے بڑے بڑے علماء مثل مولوی نعمت اللہ و مولوی ولی اللہ و مولوی ظہور اللہ صاحبان کے ہم سے قرأت سیکھتے تھے میاں نعیم صاحب کے دادا کے اولاد نہ ہوتی تھی انہوں نے ہم سے کہا ہم نے دعا کی تو خدا کے فضل سے ان کے اولاد ہوئی تو ان کے گھر کے بہت سے لوگ ہمارے مرید ہوئے۔ (۴۳) آپ کا محبوب مشغلہ صحت قرآن کریم نیز اختلاف قرأت کی وضاحت تھا۔ شنگرف کی روشنائی سے صحت و قرأت بنایا کرتے اور جس کلام پاک کی مکمل صحت فرمالیا کرتے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہزاروں کی تعداد میں صحت کردہ و قرأت بنائے کلام پاک تقسیم فرمائے جو لوگوں کے پاس اب بھی محفوظ ہیں یہ آپ کا خاصہ تھا کہ اشارات مختصرہ سے بڑے بڑے نکات آپ حل فرما دیا کرتے۔

قبولیت عامہ

قطب الارشاد کی دلیل خاص جو کہ قبولیت عامہ ہے وہ (۴۴) مولانا بابا علیہ الرحمہ کو بچپن سے حاصل تھی انسان تو انسان تھے حیوان مطلق بھی حکم سے سر تابی کی مجال نہ رکھتے تھے چنانچہ آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ بچپن میں ہم نے بھی ایک بار کبوتر پالے ایک بلی نے ایک کبوتر کو پکڑا تو سب لڑکے رونے لگے ہم کو بھی خیال ہوا تو ہم نے بلی سے کہا اسے چھوڑ دے سب لوگ دیکھ رہے تھے کہ بلی نے اسی وقت کبوتر چھوڑ دیا (۴۵) پھر فرمایا کہ بہری اکثر کبوتروں کو اکثر ستایا کرتی لوگوں نے ہم سے شکایت کی ایک دن وہی بہری ہمارے سامنے سے نکلی ہم نے اس سے کہا کہ کبوتروں کو نہ ستایا کر وہ اس روز سے کبوتروں کو بہری نے مطلق نہ ستایا۔ (۴۶) ایک بار یہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بھیڑیا ایک لڑکے کو اٹھائے لئے جا رہا تھا اور لوگ غل مچاتے پیچھے پیچھے دوڑتے آتے تھے یہ شور سن کر ہم بھی باہر نکلے بھیڑیا جب ہمارے سامنے سے گذرا تو ہم نے اس سے آہستہ سے کہا کہ اسے چھوڑ دے تو بھیڑیئے نے فوراً لڑکے کو چھوڑ دیا۔ غور کیجئے خونخوار و گوشت خور درندے بھی اپنی محبوب خوراک کو حکم پاتے ہی بسر اطاعت ختم کرتے ہیں ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے شکاری جانوروں سے اگر ان کا لقمہ چھینا جاتا ہے تو وہ چھیننے والے پر الٹا حملہ کر دیتے ہیں مگر مولانا بابا کے حکم پر ان کی یہ فطرت بھی بدلی نظر آتی ہے (۴۷) ایک بار آپ چند لوگوں کے بے حد اصرار پر شکار میں تشریف لے گئے باوجود کوشش سامنے

کو شکار میں کامیابی نہ ہوئی اور نشانہ خطا کر گئے یا بالفاظ دیگر نشانہ خطا کر گئے بادل ناخواستہ واپس آرہے تھے کہ کچھ ہرن پھر دکھائی دیئے اس مرتبہ لوگوں نے مولانا بابا سے اصرار کیا کہ اب کی آپ نشانہ لگائیں کہ کامیاب گھر تو چلیں مولانا بابا نے بجائے نشانہ لگانے کے بلند آواز سے ہرنوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم میں سے ایک ہرن ادھر آجائے اور بقیہ چلے جائیں چنانچہ ایک ہرن پاس آگیا جسے لوگوں نے پکڑ لیا اور صلاح کی کہ زندہ ہی گھر لے چلا جائے مگر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس ہرن نے تمہاری خوشی کردی اب تم اس کو رہا کرکے اس کو خوش کردو۔ چنانچہ ہرن لوگوں نے چھوڑ دیا۔ (۴۸) ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہم بچپن میں جب لکھنؤ میں پڑھا کرتے تو ولدالدعلی کے بیٹے علمائے فرنگی محل کو بہت ستاتے ایک دن ہم نے ان سے کہا کہ تم نے بچپن میں فرنگی محل والوں سے پڑھا اب انہیں کو ستاتے ہو بس وہ فوراً مان گئے۔ (۴۹) پھر فرمایا کہ یہ خدا کی دین ہے کہ باوجودیکہ ہماری عمر تھوڑی تھی لیکن ہم جس کسی سے جو کہلا بھیجتے وہ مان جاتا تھا۔ (۵۰) پھر آپ نے اپنا یہ واقعہ خود بیان فرمایا کہ کم از کم ساٹھ برس ہوئے جب کہ ہم لکھنؤ میں پڑھتے تھے تو لکھنؤ میں کسی نے بھی چاند نہ دیکھا لیکن ہم نے ایک اونچی جگہ سے چاند دیکھا اور ایک حکیم صاحب جو اس وقت موجود تھے ان کو بھی دکھا دیا پھر ہم نے اپنے استاد مولوی نور صاحب فرنگی محل سے کہلا بھیجا انہوں نے فوراً روزہ توڑ ڈالا۔ معتمدالدولہ وغیرہ کو خبر ہوئی تو فرنگی محل والے بہت ڈرے لوگوں نے ہم سے بھی کہا کہ کہیں چھپ جاؤ لیکن ہم سوتے رہا گیا بلکہ ہم نے خود معتمدالدولہ سے کہلا بھیجا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو وہ فوراً مان گئے اور فرنگی محل والوں کا بھی ڈر جاتا رہا۔ معتمدالدولہ کے مصاحبوں میں ایک شخص ہمارے معتقد بھی تھے انہوں نے معتمدالدولہ سے ہماری بہت کچھ تعریف بھی کی۔ (۵۱) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی سب سے تاباں کرامت مختصر ہی ہے کہ جس کسی پر آسیب یا جن آتا ہوتا تو آپ فرماتے کہ مریض کے کان میں یوں کہدو کہ فضل رحمن نے تمہیں سلام کہا ہے۔ بفضل خدا وہ بالکل تندرست ہوجاتا۔ صدہا لوگوں نے اسے دیکھا اور ان پر بیت چکا ہے۔ روایات بالا شاہد عادل ہیں کہ بچپن سے اللہ عم نوالہ نے فضل رحمن پر ایسا فضل رحمن رکھا کہ آپ کو سیدالشیٰ قطب کیا اور طفلی ہی سے قطب الارشاد کردیا اس مقام کی یہی شناخت ہے کہ قطب الارشاد کا نور ارشاد تمام عالم کو شامل ہوتا ہے اور اس زمانہ کی خلقت کو فیض حق سبحانہ اسی قطب الارشاد کے واسطہ سے پہنچے (۵۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ جب مسجد سے گھر یا گھر سے مسجد تشریف لایا کرتے تو باہر نکلتے ہی کوے۔ کبوتر فاختہ۔ مینا۔ بسطخ۔ بکریاں۔ وغیرہ گھیر لیتے آپ فرماتے کہ کمبختو ہمارے پاس کیا کر رکھا ہے جاؤ دور رہو۔ مگر وہ گھیرے رہتے تو آپ رام دین بقال کو حکم دیتے کہ ان کو کچھ کھانے کو ڈال دو۔ اور وہ دو تین سیر کسی قسم کا غلہ ڈال دیتا اور یہ جانور خوش خوش اسے کھانے لگتے۔ ہزارہا مریدین کا یہ چشم دید واقعہ ہے۔ بقیہ واقعات ماسبق ابواب میں ضمناً بیان ہوں گے۔ (۵۳) مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طفلی میں آپ ہمسایہ واہل بستی کے کھلنڈرے بچوں سے جن کی انتہا طبیعی کھیل و شرارت ہے جس بات کی ہدایت کرتے یا کسی بات سے منع فرما دیتے تو وہ حکم پاتے ہی رک جاتے تھے۔

شہرت عامہ

(۵۴) فقر و فاقہ کے مذکور پر ایک بار مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خواجہ میر درد

علیہ الرحمہ کو ایک فاقہ مہینہ بھر کا اور دوسرا فاقہ پندرہ یوم کا کرنا پڑا تھا جب شہرت ہوئی۔ اور فقیر تو ڈیڑھ فاقے ہی میں مشہور ہو گیا۔ یہ تو بھائی خدا کی دین ہے کسی کا کچھ اجارا نہیں۔

حوران بہشتی کا سلام

(۵۵) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم طفلی میں اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر لوگوں نے غل مچایا کہ یہ کوٹھے پر عورتیں کیسی کھڑی ہیں پھر تھوڑی دیر میں وہ سب غائب ہو گئیں۔ سبحان اللہ کیا بادرزاد قطبیت و علوئے مرتبت تھی کہ بچپن ہی سے حوریں سلام کو آتی تھیں

چھٹا باب

بعض حالات حضرت مرشد رح

ضروری ہے کہ اولاً حضرت مرشد خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمہ کا بعض ذکر پیش کرتا چلوں (۵۶) حضرت مرشد بہت بڑے بالنسبت یگانہ، دہر غوث عصر کاملین وقت سے تھے آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کی دعا سے پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد جناب احسان اللہ ملقب بہ خاں صاحب بن نواب ظہیر الدین خاں صاحب (جو بعہد عالمگیری منصب دار شاہی وخطاب خانی و نوابی رکھتے تھے) بن حضرت شیخ محمد نقی بن حضرت شیخ عبد الاحد شاہ گل متخلص بوحدت بن حضرت مجدد خازن الرحمۃ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ (۵۷) حضرت مرشد علیہ الرحمہ کو۔ جملہ سلاسل متعارفہ کی اجازت حاصل تھی اسی لئے آپ کا طریقہ جامع برکات جملہ طرق ہے۔ حضرت مرشد خواجہ محمد ضیاء اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور اولاد مجددی سے ہیں۔ حضرت مرشد اپنے مرشد کے وصال کے بعد حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہے اور قطبیت کی بشارت پائی۔ (۵۸) کابل تک آپ کے زیر نگیں تھا اور زماں شاہ بادشاہ کابل بھی آپ کا مرید ہوا۔ حضرت مرشد اس مسجد میں جس میں قبلہ عالم حضرت خواجہ شاہ محمد زبیر صاحب علیہ الرحمہ نماز پڑھا کرتے تشریف رکھتے بعد نماز اشراق خاص وعام حاضر ہوا کرتے۔ (۵۹) حضرت شاہ غلام علی صاحب علیہ الرحمہ اکثر اپنے مریدوں کو حضرت مرشد کی خدمت بھیجا کرتے حضرت مرشد بھی برضا و فرمادہ بھی تسلیم کر لیتے۔ (۶۰) حضرت مرشد علیہ الرحمہ کو طریقہ نفی و اثبات حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے پہنچا تھا آپ کا سن ولادت ۱۱۶۰ھ ہے سات محرم الحرام بروز چہارشنبہ بعد مغرب ۱۲۵۱ھ کو وصال شریف بہ عمر ۹۱ سال ہوا۔ پنجشنبہ کو مغلپورہ شہر دہلی عقب عیدگاہ مدفون ہوئے۔

بارگاہ آفاقی کی کرم پاشیاں

مولانا بابا علیہ الرحمہ جب حاضر آستانہ عالیہ ہوئے تو گل کھلا خواجہ جوہر شناس یہ جان کر کہ یہ تو ہمارے طریقہ کو منور کرنے والا بدر کامل ہے بے حد مسرور ہوئے (۶۱) مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مرشد نے باصرار مجھے پاس بلا کر سینے سے لگایا اور اپنے ہمراہ حرم خانہ میں لے جا کر جنابہ صاحبزادی صاحبہ اور اپنے داماد حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے فرمایا کہ وہ مولوی فضل رحمٰن کو نذر دو۔ یہ ایک خاص اولاد ہم کو خدائے قدوس نے در رحمت فرمائی ہے ایسی کامل اکمل ہیئے کا ہم کو انتظار تھا کہ تمام عالم ان کے دریائے فیض سے سیراب ہو جائے گا

چنانچہ اسی وقت حضرت مرشد نے مولانا بابا کو بیعت فرما کر اپنے حجرہ میں ٹھہرالیا۔ (۶۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب اول بار دہلی گئے تو ہم کو یہ خیال ہوا کہ پہلے یہاں کے فقراء سے مل لیں تب حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں چلیں چنانچہ جب دہلی بارہ کوس (۲۴ میل) رہ گئی تب ہم ٹٹو پر سے اتر پڑے باوجودیکہ ٹٹو والے کو دہلی تک کا کرایہ ادا کر دیا تھا۔ چنانچہ ہم نے پہلے حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ میں فاتحہ پڑھا پھر آگے بڑھے تو شاہ غلام علی شاہ صاحب کا مکان راستہ میں ملا پس ہم اندر چلے گئے بعد سلام ودعا میں دور بیٹھنے لگا تو شاہ صاحب نے قریب بلا کر اپنے برابر بٹھالیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کون شخص ہے پھر لوگوں نے ہم کو وہاں سے ہٹانا چاہا کہ یہاں بیٹھنا بے ادبی ہے لیکن خود شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ یہیں بیٹھیں گے پھر ہم نے کہا کہ ہم کو حضرت مرشد کا مکان معلوم نہیں تو آپ نے اپنے کسی مرید کو میرے ساتھ کر دیا وہاں پہونچ کر حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے ملا پھر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کے وہاں گیا۔ شب کا کھانا کبھی موصوف کے وہاں کبھی حضرت مرشد کے وہاں کھاتا شب کو شاہ صاحب کے یہاں رہتا اور دن میں حضرت مرشد کے پاس جایا کرتا۔ (۶۳) ایک روز مولانا اعظم علی شاہ صاحب خلیفۂ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت مرشد سے عرض کیا کہ ہم مریدان قدیم پر اتنی عنایت نہیں جتنی مولانا شاہ فضل رحمٰن پر ہے تو حضرت مرشد نے فرمایا کہ تم سب کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ اور مولوی فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے بس جیسے خدا چاہتا ہے ایسے میں بھی چاہتا ہوں۔ (۶۴) تیسرے ماہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے یہ کہہ کر رخصت فرمایا کہ میاں فضل رحمٰن تمہارا کام انجام پاچکا اب تم جا کر خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ چنانچہ آپ واپس ملاواں تشریف لائے۔ آپ کا یہ دور قطب الارشادی تھا۔ (۶۴) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے سنا ہوا امراؤ علی خاں رحمانی نے نقل کیا کہ جس وقت مولانا بابا علیہ الرحمہ بارادۂ بیعت حضرت مرشد علیہ الرحمہ کی خدمت میں دولت کدہ پر چلے تو حضرت مرشد نے اپنے خلفاء و مریدین کو مولانا بابا کے استقبال کیلئے دور تک بھیجا اور حضرت مرشد نے فرمایا کہ وہ شخص میرے پاس آرہا ہے جس کی مریدی سے مجھ کو فخر ہے (۶۵) بیان توجہ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم جب اپنے مرشد کی خدمت میں جاتے تو کبھی کبھی توجہ میں بیٹھ جاتے ورنہ اکثر ایک گوشہ میں قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے اور برابر حضرت مرشد سے فیض آتا۔ (۶۶) پھر فرمایا کہ کبھی بار ایسا ہوا کہ جب ہم دہلی سے چلے آئے تو دہلی میں لوگوں سے ہماری نسبت حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج وہ مجھ سے فلاں مقام پر توجہ لے رہا ہے اور آج مجھ سے فلاں جگہ فیض لے رہا ہے اس پر ہمارے بعض پیر بھائیوں نے عرض بھی کی کہ حضرت ہم اتنی مدت سے فائز خدمت ہیں مگر مولوی فضل رحمٰن کو یہ بات حاصل ہے اس پر حضرت مرشد نے فرمایا کہ بھائی تم کو میں چاہتا ہوں کہ ہو جاؤ اور فضل رحمٰن کو خدا چاہتا ہے کہ وہ ہو۔ پھر فرمایا کہ بھائی یہ تو خدا کی دین ہے۔

خلافت

(۶۷) دہلی سے پہلی واپسی میں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ملاواں کی مسجد واقع

چھتہ لوٹلہ میں قیام فرلیا اور ریاضت و مطالعہ قرآن و حدیث میں مشغول ہوگئے۔ (۶۸) آپ کے دوران
قیام ملاواں میں ایک شخص مسمی محب علی ساکنہ ملاواں نے حضرت خواجہ خواجگان قبلہ خواجہ شاہ محمد آفاق
صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب سے سفارش
فرمادیں کہ ہم لوگوں کے حال پر توجہ فرمائیں اور حلقۂ ذکر میں بٹھائیں چنانچہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے حسب
ذیل تحریر شریف بدست محب علی ازرہِ بہجت ظاہرہ ارسال فرمائی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محب الفقراء مخلص الفضلاء
مولوی فضل رحمٰن بعافیت باشند۔ بعد دعوات ترقیات ظاہر و باطن مطالعہ نمایند دریں جوار فضل پرور دگار
خیریت و صحت و عافیت آں محب الفقراء مدام مطلوب۔ دیر است کہ از حالات خیریت آیات آں محب الفقراء
اطلاع ندارد۔ ازیں باعث دل متعلق۔ باید کہ ہموارہ بدست آیندگان ایں سمت از نامجات خیریت
آیات دل را خرم می کردہ باشند۔ شمارا اجازت است کہ ہر کہ در طریقۂ علیہ نقشبندیہ و قادریہ داخل
شود او را داخل نمایند و بدل متوجہ یاراں باشند۔ و محب علی را توجہ می دادہ باشند و ہمیشہ نویسان
حالات باشند۔ زیادہ نور چشماں درازی عمر و حیات خوانند و بجمیع یاران و مخلصان فقیر یاران خود را
دعا رسانند۔ از میاں عزیز احمد و عطا محمد و فدا محمد و از جمیع صوفیان خانقاہ سلام شوق خوانند۔ از
اعظم علی سلام سنت الاسلام و مبارکباد خوانند۔ از اندرون حویلی دعوات خوانند۔ فقط فقیر محمد
آفاق محمدی کے (۶۹) تحریر آئی تو باادب آپ نے بوسہ دیا۔ کچھ دن بعد اسی اشتیاق ملاقات نے گد
گدایا کہ سفر دہلی پھر فرمادیا کہ دربار سے بھی لطف اندوز ہوں گے اور مزید اکتساب باطنی بھی ہوگا۔ کچھ روز
گذرے تھے کہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے حکم واپسی دیکر دوبارہ افادۂ خلق اللہ کی ہدایت فرمادی۔
اس وقت مولانا بابا علیہ الرحمہ منصب قطب الاقطاب پر فائز تھے۔ (۷۰) مرشد علیہ الرحمہ کا شوق
زیارت اس قدر تھا کہ ان دونوں سفر کے علاوہ پانچ مرتبہ اور آپ اسی غرض سے دہلی تشریف لیجایا کئے

حقیقت بیعت

ضروری ہے کہ ناظرین کی سہولت کے لئے حقیقت بیعت کا ایک اجمالی خاکہ بھی
ہم ہدیہ نظر کرتے چلیں۔ (۷۱) اگر ہم عہد رسالت پر نظر ڈالیں تو واضح
ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کیا تھے؟ سب نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کے مرید ہی تو تھے کیونکہ یہ سب حضرات
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست رسالت بیعت کر چکے تھے۔ آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ بیعت
کس قسم کی تھی۔ ذرا اہل عرب پر نظر ڈالئے ان کے مرد اور عورتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس آتے بعض چوری اور ڈاکہ زنی نہ کرنے پر اور بعض زنا و شراب چوری سے بچنے پر بعض صرف توبہ پر
بعض محض اطاعت پر بیعت کرتے۔ ہاں بعض اوقات میں خاص بیعت بھی لی گئی جیسے کہ انصار جو کہ
مسلمان تھے مگر ان سے اس امر پر بیعت لی گئی کہ جب کوئی مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوگا تو ان کو ساتھ لڑنا
پڑیگا۔ مشکوٰۃ باب الفقہ ابی جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
نماز پڑھنے زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔ (متفق علیہ) اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت

سے مروی ہے کہ ہم نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے آسانی و دوست داری در نج وغم میں صبر اطاعت پر اور برگزیدگی پر یعنی آپ مال غنیمت میں اگر اور لوگوں کو ہم پر ترجیح دیں گے تو ہم انصار اس میں مطلق چون وچرا نہ کریں گے۔ (بخاری وسلم) اس وضاحت نے یہ ثابت کر دیا کہ کسی شخص سے کسی امر کے کرنے نہ کرنے کا پختہ اور مصمم عہد کا نام بیعت ہے۔ غور کیجیے قتل اولاد۔ چوری۔ زنا۔ شراب خوری وغیرہ پر جن لوگوں نے بیعت کی وہ ان معاصی کے تاحیات پھر مرتکب نہ ہوئے مطلب یہ ہوا کہ بیعت کرنے والا جن امور پر بیعت کر لیتا پھر ان پر بے غدر والہانہ عمل کرتا اور سمجھتا کہ بیعت لینے والے کے ہاتھ بک چکا۔ قرآن کریم نے اسی امر کی تعلیم دی کہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ آلخ اے محبوب جب آپ کے پاس مومن عورتیں آکر اس امر کی بیعت کرنے پر طیار ہوں کہ وہ شرک نہ کریں گی چوری اور زنا اور قتل اولاد نہ کریں گی بہتان نہ لگائیں گی کسی امر میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کی بیعت قبول کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کے لئے دعا مانگیں کہ اللہ واقعی بہت مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس اس نہج پر غور کیجیے تو واضح ہو گا کہ بیعت صوفیا کیا ہے یہی کہ گناہ سے بچیں شرعی امور میں ان کی اطاعت کریں رہا یہ کہ یہ منصب انہیں حاصل کیوں ہے تو اس حقیقت سے انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ صرف صوفیائے کرام ہی نائب رسول بدرجہ اتم ہیں۔ دور رسالت کے بعد دور صحابہ پر نظر ڈالئے یہاں بھی آپ کو یہی پیر ملے گی خلفائے اربعہ بھی اسی طرح بیعت لیتے رہے۔ بعد ازاں صوفیا نے یہ سلسلہ جاری کیا۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ اول تو صحابہ کرام ظاہری و باطنی کمالات کے خود جامع تھے بلکہ فضلیت صحابہ کا راز ہی صرف یہ ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تعلیم رہے اور ان کے ہر فرمان و اشارے پر جان و مال و سر کے نذرانہ پیش کرتے رہے دوہیش یہ صحابہ خود رعایا کہ دین اور دنیا دونوں کے ناخدا تھے ان کی کوششیں اس کے لئے وقف تھیں بنابریں صحابہ کرام کو کسی جداگانہ طریق بیعت کی ضرورت نہ پڑی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب ایسی کوئی ضرورت آہی پڑی تو قبولیت و تسلیم حکمرانی اور اقرار اطاعت پر خلفاء و فرمانروایان اسلام نے بیعت لی۔ بیشک جب خلافت محض دنیوی سلطنت کا مرکز بن گئی تو پھر صوفیائے کرام نے دین اور دینی کمالات کے بقا کے ماتحت ایک جداگانہ نظام قائم کیا۔ اور دو قسم پر بیعت محدود کر دی اول ترک معاصی۔ دوم ترقی روحانی۔ یہی تو وہ وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے بلند نظر مدبر و صاحب باطن نے حالات کے پیش نظر خرقہ خلافت حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو عطا فرما کر انہیں مرید کرنے کی اجازت دی۔

دنیوی اور دینی خلافت کا فرق

آپ اگر اب بھی نہ سمجھے ہوں تو اب ان الفاظ میں سمجھ لیجیے کہ جو خلافت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ عطا ہوئی کر اور حضرت علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ تک دین و دنیا دونوں میں کفیل رہی اس کے اب دو حصے ہو گئے ایک دنیوی خلافت دوسرا دینی خلافت۔ دنیوی خلافت تو بنی امیہ نے سنبھالی۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بہ مجبوری اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا اس لئے یہ خلافت محض سیاسی تھی ان کے بعد خود تاریخ شاہد ہے کہ بنی عباس تلوار کے زور سے خلیفہ ہوئے اجازت خلافت کا کہیں پتہ نہ تھا ہاں خلفائے بنی عباس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بیعت تو بہ ضرور لی مگر یہ بیعت محض سیاسی اور ملکی بیعت تھی جس کا منشا اقتدار حکومت تسلیم کرانا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنی عباس نے کبھی روحانی پیشوا ہونے کا کوئی دعوا نہیں کیا نہ دینی قیادت کے معاملے میں صوفیائے کرام سے انہوں نے کبھی نزاع کیا بلکہ ان صوفیا کے اگے وہ خود حلقہ بگوش رہے اسی طرح صوفیا بھی ان کے ملکی اقتدار کی راہ میں کبھی سد راہ نہ ہوئے بلکہ دینی خلافت اور دنیاوی خلافت دونوں اپنی اپنی جگہ ترقی پذیر رہیں۔ نتیجہ صاف ہے کہ بنی امیہ و بنی عباس کی یہ کسی جانشینی پر نہ تھی بلکہ زبردستی کی خلافت تھی بر خلاف اس کے یہ دینی خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بہ اجازت بخش کر جانشین فرمایا ماننا ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی جانشین صرف صوفیائے کرام ہیں اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ خلافت ان میں اجازت کے ساتھ منتقل ہوتا آیا ہے۔

لزوم پیری و مریدی

(۷۳) قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی نے لکھا ہے کہ طریقت کا طلب کرنا اور کمالات باطنی کی سعی کرنا واجب ہے کیونکہ ارشاد ربی ہے کہ یاأیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ اے مومنو اللہ سے ڈرو اور کامل پرہیزگاری اختیار کرو۔ غور کیجئے یہ فعل امر وجوب کے لئے مستعمل ہوا ہے کہ کمال تقوے حاصل کرنا واجب ہے پس جب طلب طریقت واجب ہوئی تو پیر کامل کی بھی تلاش واجب ہوئی اس لئے پیری و مریدی لازمی ہوئیں کیونکہ ع مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد۔ خود اس کا ثبوت ہے۔

مقصد مریدی

ظاہر ہے کہ پہلے لوگ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے گناہوں سے خود بچتے اس لئے بیعت میں بھی خاص احتیاط برتی جاتی اور جب تک مرید کے اندر پورا شوق نہ دیکھ لیتے اور خدا کی طرف متوجہ نہ پاتے اس وقت تک مرید نہ کیا جاتا مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا گناہوں کی طرف رجحان بڑھا تو صوفیا بھی عام طور سے گناہوں سے روکنے کے لئے مرید کرنے لگے۔ پس مرید درحقیقت وہی ہے کہ جو اپنی بیعت پر قائم رہے اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کا اتباع کرے اول مقدمات فرائض و سنن ہیں اس کے بعد دیگر امور کا خیال و التزام کرے اگر یہ ہے تو مریدی بھی نافع ہے یوں تو تجربہ شاہد ہے کہ خود شیخ کامل نے مرید کی لغزش پر آگاہ کر دیا ہزارہا واقعات ہیں کہ اولیائے کرام نے عین موقعہ پر پہنچ کر مرید کو مدد دی اور گناہ کے ارتکاب سے روکا۔ لازمی ہے کہ مرید گناہ سے بچنے کا پختہ عہد کرے اگر کوئی گناہ مبادا سرزد ہو جائے تو اس سے فوراً سخت توبہ کرے پھر خود دیکھے کہ پیر کس کس طرح گمراہ نہ ہونے دینے کا فرض پورا کرتا ہے لیکن مرید ہی میں جب کچھ نہ ہو اور مقصد مریدی ہی فوت ہو تو پیر کا کیا قصور

ترقی روحانی

(۷۳) کمل بحث سابقہ ابواب میں گذر چکی سمجھانا صرف یہ نکتہ ہے کہ مبدا فیاض نے انسان کے اندر ترقی روحانی کا مادہ پوری طرح رکھا ہے ہاں حیوانات کو یہ مادہ عطا نہیں کیا۔ روحانی ترقی صرف اسلام سے مختص محض اس لئے نہیں ہے کہ جو جوہر انسان کی خلقت میں رکھ دی جاتی ہے وہ لازمی عام ہونا چاہئے۔ پس ہنود۔ بودھ۔ عیسائی۔ یہودی۔ سب کو اس انعام سے منعم حقیقی نے مالا مال کیا۔ مگر کمال ارتقاء صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے اگر یہ ارتقاء کمال عام ہوتا تو اجمیر کے جیپال جوگی کی پرواز روحانی حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی کھڑاؤں کا مقابلہ کرنے میں نہ کبھی عاجز ہوتی نہ جیپال اپنا قصور دیکھ کر ضعف کو جان کر اسلام قبول کرتا۔ اسی طرح بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ سے جس جوگی کا مقابلہ ہوا حالانکہ وہ آٹھ روز میں ایک دفعہ ہی دودھ پیتا اور منوں پی جاتا مگر اس کو اعتراف عجز نے اس پر مجبور کر دیا کہ مسلمان ہو کر کمال ارتقائے روحانی حاصل کرے آپ کہیں گے آخر اس کی وجہ؟ تو صرف یہ وجہ ہے کہ انسان کے اندر جتنا خلقی مادہ ترقی کا ہے غیر مذہب والے اتنی ترقی کر کے پھر محدود رہ جاتے ہیں یہ صرف اس بنا پر کہ روح کو اس کے خاطر خواہ اپنے آمر سے حقیقی غذا نہیں پہنچتی اسی لئے روح نہ ترقی پاتی ہے نہ اپنے آمر کے رنگ میں پوری طرح رنگ کر فنا کے قابل ہو پاتی ہے یہی وہ منزل ہے جہاں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اقرار توحید کے ساتھ اقرار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم واجبی ہے کیونکہ اقرار رسالت سے وہ راہ مسدود کھل جاتی اور روح حسب خواہش انتساب کر کے معراج کمال پر پہنچتی ہے۔ نیز چونکہ اگلی سب شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس لئے صرف اسلام ہی کامل ترقی روحانی کا حامل ہے۔

احتیاط ادب سید

(۷۴) شجرہ کی تفصیل سے یہ واضح ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ اپنے دادھیالی شجرۂ نسب سے صدیقی البکری ہیں اور اپنی والدہ ماجدہ کے دادھیالی و ننھیالی نسب سے حسنی حسینی ہیں۔ مگر قربان جائیے کیا پاس ادب تھا کہ کبھی مریدین اگر آپ کو لفظ سید سے خطاب کرتے تو آپ حسن ادب کے لحاظ سے ان مریدین کو احتراز فرمانے کا حکم دیتے۔ نکتہ (۷۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اولاد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی سید کہتے ہیں (۷۶) گیارہ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ کو عصر کا وقت تھا کہ دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج گیارہویں ہے مولوی یوسف علی صاحب بھوپالی نے ایصال ثواب کے لیے بتاشے منگوائے تو مولانا بابا نے دست مبارک اٹھا کر ان پر آیات پڑھیں پھر فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو پہنچے اور دو تین بتاشے خود نوش فرما کر حکم تقسیم دیا۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بچوں کو تقسیم کرنے سے روح بزرگان ادر بھی مسرور ہوتی ہے۔ اس ملفوظ گرامی سے نسبت نسب عالی کی وضاحت کے ساتھ حقیقت صحت فاتحہ بھی ثابت ہے۔ جو لوگ تیجہ نیجی و فاتحہ کو نادرست کہتے ہیں ان کے لیے یہ سم قاتل ہے۔

نسبت نقشبندی

(۷۷) یہ نکتہ جلیلہ بھی یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا تمام خانوادہ چشتیہ ہے مگر خون مادری کی یہ نسبت نقشبندی اس قدر غالب

اثر ہوئی کہ آپ نے طریقہ نقشبندیہ اختیار فرمایا۔ (۷۸) اس طریق نقشبندی کے اختیار پر حضرت مخدوم مصلح العاشقین
چشتی علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے شکوہ کیا کہ آپ نے تو ہمارا بیٹا ہی چھین لیا حضرت مجدد صاحب
علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ اگر میں نے چھینا ہے تو آپ اب واپس لے لیں۔ چنانچہ مخدوم صاحب علیہ الرحمہ خاموش رہے

نسبت سلاسل اربعہ

(۷۹) دوسرا نکتہ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھئے کہ علاوہ سلسلۂ روحانی
کے ہمارے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا نسبی طور پر چشتیہ۔ سہروردیہ۔ نقشبندیہ
قادریہ اربع سلاسل سے خونی رشتہ ہے۔ (۸۰) علاوہ ازیں مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو طریق
چشتیہ اپنے والد سے پہونچا اور حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے چشتیہ قادریہ نقشبندیہ پہونچا بلکہ ہم کو سلسلۂ مداریہ
بھی حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے پہونچا ہے فالحمد للہ کہ فضل رحمٰن کی سب جگہ کارفرمائی ہے۔

نسبت مصطفائی

(۸۱) درس حدیث شریف میں وفات سیدنا ابراہیم بن سیدنا محمد رسول اللہ
صلوات اللہ علیہم کی جب حدیث آئی تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ
وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ سے لَمَحْزُوْنُوْنَ تک پڑھ کر یاد کیا اور اشک بہا کر غمگین ہو کر فرمایا کہ یاد رکھو اگر بطور
تعزیت کے اب روئیں اور انا للہ آخر پڑھیں تو وہی ثواب ہے جو اس وقت تھا اسی لئے ہم اس وقت روئے
کہ ہمارے پیشوا ہیں اور ہمارا ان کا خون ملا ہوا ہے۔ فردوسی ہند سید محمد ابراہیم ہندی فتحپوری نے سچ لکھا ہے
کہ۔

موسوی و عیسوی صورت تھی نسبت آپکی ٭ اور محمد مصطفائی تھی حقیقت آپکی
شرح اکملت تھی توضیح شریعت آپکی ٭ نص اتممت تھی تکمیل طریقت آپکی
ایک یہ گھر ہے جو گویا مکتب جبریل ہے ٭ ورنہ دینی مدرسوں میں موسمی تعطیل ہے

(۸۲) ۱۴ شعبان چہار شنبہ بوقت درس بیان اِتْیَانِ جِبْرَئِیْلَ علیہ السلام فِیْ بَیْتِھَا کی حدیث آئی یعنی جبرئیل
علیہ السلام کا علاوہ دیگر ازواج مطہرات کے صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہا کے گھر آنا۔
تو مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بعض بات کیوں چھپاؤں ہماری زوجۂ اول جب حیات تھیں اور ہم ان کے
ساتھ جب کہ بیٹھے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے (۸۳) اسی طرح ہمارے احمد
(دادا میاں) کی والدہ اور ہم جب ایک بستر پر ہوتے اس وقت بھی آنحضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف ارزانی
فرمایا کرتے جسے والدۂ احمد (میاں صاحب) نے بھی کئی بار دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ اس قرب و تخصیص نسبت
مصطفائی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ (۸۴) ایک پیرزادے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں آئے تو آپ کو دیکھتے
ہی بیہوش ہو گئے بعد افاقہ مولانا بابا نے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے پاس رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جمال مہر رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیہوش ہو گیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ بس ایک
ہی جھلک میں تمہارا یہ حال ہو گیا (۸۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو
دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ اندر جاؤ مجھے شرم دامنگیر ہوئی تو پھر شمشیر خدا رضی اللہ

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں اندر جاؤ۔ پھر میں ادباً اندر گیا تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مجھے اپنا بیٹا کہہ کر سینۂ مبارک سے لگا لیا۔ سبحان اللہ۔ کیا قربیت و عالی نسبتی اور کس قدر بارش کرم ہے نسبت مصطفائی کی اسی تخصیص نے تو آپ کو سراپا فضل رحمٰن بنا دیا۔ اسی ضمن میں چند کوائف باہرہ اور ملاحظہ ہوں (۸۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کرتے بس نماز پڑھ لیتے ہیں نماز میں بلا قصد و ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے ہم کو اٹھا رہا بٹھا رہا ہے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام خواب میں تشریف لاتی ہیں اور اپنے سینۂ اطہر سے ہم کو لگا لیتی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح پیار کرتی ہیں اور جب بیمار ہوتا ہوں اس وقت بھی تشریف لاتی ہیں بس اسی وقت سے اچھا ہو جاتا ہوں (۸۷) بوقت درس حدیث معراج شریف وَرَأَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ الخ پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو حضرت ابراہیم اور ان کی بی بیاں حضرت ہاجرہ و حضرت سارہ پیار کرتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ (۸۸) ایک مرتبہ حضرت مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ شب سے پہلے سندیلہ تشریف لائے اور یکایک صبح کو لکھنؤ کی طیاری کر دی تو چودھری نصرت علی صاحب و ان کے چچا چودھری حشمت علی صاحب تعلقداران سندیلہ حاضر آئے اور التماس کیا کہ اس قدر جلدی کیوں فرمائی جاتی ہے کسل سفر بھی تو ابھی دور نہیں ہوا سب سواریاں موجود ہیں جس کا حکم ہو وہ حاضر کر دی جائے کسی اور روز تشریف لے جائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو ایک بہت ضروری کام ہے سواری آنے تک کا بھی انتظار نہیں کر سکتے مختصر یہ کہ آپ اپنے ذاتی کرایہ سے ٹٹو لے کر جانے پر راضی ہوئے اور جب تک ٹٹو آئے پا پیادہ چل دیئے مگر فوراً عقب سے ٹٹو ارسال کیا گیا جو آپ کو اثنائے راہ میں ملا اور آپ سوار ہو کر تشریف لے چلے اور ایک شب بعد واپس بھی تشریف لے آئے۔ چودھری حشمت علی صاحب نے موقعہ پا کر دریافت کیا کہ حضور والا کیا ایسا ضروری کام تھا جو اس قدر تکلیف اٹھا کر زحمت سفر برداشت کی گئی اور فوراً ایک ہی شب قیام کر کے واپسی فرما دی گئی ہم لوگ حاضر خدمت تھے کسی کو حکم ہو جاتا تو دیگر حاضرین نے بھی تائید کی اس پر بہت ہی رازدارانہ طور پر مولانا بابا نے فرمایا کہ ہم کو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے اس وجہ سے بلایا تھا کہ حضرت بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام میرے یہاں تشریف لائی ہیں تم بھی آ کر ملاقات کر جاؤ اسی واسطے ہم فوراً چلے گئے جب ہم حضرت شاہ مینا صاحب کے پاس پہنچے تو وہ ہم کو اپنے ساتھ اس خیمہ تک لے گئے جو نور کا تھا۔ اور ہم سے کہا کہ تم خیمہ میں چلے جاؤ۔ ہم خیمہ میں گئے مگر آنکھیں ادباً جھکائے رہے کہ خود بی بی فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اٹھ کر ہم کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور ہمارے سر پر دست شفقت پھیر کر رخصت کر دیا جب ہم خیمہ سے باہر نکلے تو حضرت شاہ مینا صاحب علیہ الرحمہ نے بھی رخصت دیدی تو اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی (۸۹) ایک مرتبہ محمد داصل صاحب کے مکان سندیلہ میں مولانا بابا علیہ الرحمہ تشریف فرما تھے ایک روز مسجد میں بعد نماز عصر مشرق رو نماز پڑھا کر تشریف رکھے تھے اور آپ کے بالکل متصل جا نماز رکھی تھی کہ اسی وقت چودھری محمد امیر صاحب رئیس گدی پور حاضر ہوئے نذر پیش کرتے وقت جب چودھری صاحب خمیدہ

ہوئے تو ان کے دو لڑکے اس جانماز پر پڑ گئے تو مولانا بابا نے ان سے فرمایا کہ تم کو سوجھتا نہیں کہ جانماز پر پیر رکھے دیتے ہو۔ چودھری صاحب جو آپ کے مرید سید و نیک آدمی تھے بآہستگی بولے کہ میرے پیر تو نجس بھی نہ تھے بلکہ میں باوضو تھا اگر میرے تو صرف پیر پڑ گئے کیا حضرت خود اسی جانماز پر پورے جسم سے بیٹھتے نہیں۔؟ اتنے میں مولانا بابا نے کشف سے معلوم کر کے چودھری صاحب و حاضرین سے رازدارانہ طور پر فرمایا کہ تم جانتے نہیں اس جانماز پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اور ہم سوا نماز پڑھنے کے کبھی اس پر نہیں بیٹھتے۔ اسی لئے اس قدر احتیاط و تعظیم کرتے ہیں۔ کسی شخص نے انہیں حاضرین میں سے سوال کیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسم سے تشریف لاتے اور نماز پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اسی جسم مقدس سے رونق افروز ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں نیز ہم بھی خدا کے فضل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں پنج وقتہ اقتدائے نماز کرتے ہیں۔ پھر رازداری کا اشارہ فرمایا۔ (۹۰) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایسا بیمار ہوا کہ کسی کو میرے بچنے کی امید باقی نہ رہی تو ہمارے بیٹے احمد (میاں صاحب) نے دیکھا (عالم مثال میں) کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تشریف لائے اور فرمایا کہ اس کی ابھی بہت عمر ہے۔ تو صبح کو میں اچھا ہو گیا۔ (۹۱) پھر فرمایا کہ ہمارے گھر میں (حرم ثانی) کچھ پڑھی لکھی نہ تھیں ہم اور وہ سوتے تھے کہ تمام گھر معطر ہو گیا۔ وہ گھبرا گئیں میں نے کہا کہ گھبراؤ مت جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں وہ جگہ معطر ہو جاتی ہے۔ (۹۲) پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری والدہ صاحبہ کی آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی کچھ یوں ہی سا دیکھ لیتی تھیں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور اچھا خاصا دیکھنے لگیں پھر جب ہماری والدہ کا وصال ہوا تو ہم ہی نے ان کو دفن کیا اس وقت بہت کچھ دیکھا وہ کہہ نہیں سکتے (۹۳) اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں شک ہوا تو وہ امام اعظم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے خود دریافت کر لیتے ہیں اور جن کو زیادہ رسائی ہوئی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود صحت کر لی روایت مذکورہ میں ذات گرامی سے کنایہ بالکل آئینہ ہے۔ جیسا آگے آتا ہے پوچھ لینا کیا بڑی بات ہے قاری حدیث تک کو دربار رسالت میں پہنچا دیتے (۹۴) آپ اکثر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر مرید بھی کیا کرتے تھے۔

آپ کر لیتے تھے آنحضرت سے تصحیح حدیث ؎ اللہ اللہ کس قدر عالی تھی نسبت آپ کی
مصطفےٰ سے پوچھکر کرتے تھے مولانا مرید ؎ بیعت خیر الوریٰ گویا تھی بیعت آپ کی

روایات بالا خود اپنا آپ ثبوت ہیں اسی منزل میں ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح مولانا بابا اتباع سنت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اسی طرح مبدأ فیاض نے آپ کو معراج قربت و معیت مصطفائی بھی علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ یہاں اگر کوئی بھید تھی تو اتباع سنت پر عمل تھا (۹۵) چنانچہ مولانا بابا نے حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے نقل کیا کہ آپ نے ارشاد کیا کہ اخلاف باوجودیکہ دسوں لطائف طے کرتے ہیں لیکن قدمار کو نہیں پہنچتے جو صرف لطیفہ قلب طے کیا کرتے کیونکہ ان اسلاف کا عمل کی وجہ سے مقام عالی ہو جاتا تھا۔ (۹۶) اسی بنا پر مولانا بابا اکثر فرماتے

کہ اتباع سنت ہی قطبیت اور غوثیت ہے۔ بحمد اللہ آپ کا عمل بھی اس قدر مکمل تھا کہ سنت و واجبات کا تو بڑا درجہ ہے مستحبات تک آپ سے نہ چھوٹے اور اسی پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ سنت خلفاء و بزرگان دین بھی آپنے ادا فرمائی ہیں (۹۷) مولانا بابا نے ایک بار دادا میاں صاحب رح سے دریافت فرمایا کہ ہم میں اور مرزا صاحب رح میں نسبتاً کیا فرق ہے دادا میاں رح نے فرمایا کہ ایک بات میں آپ کو مرزا صاحب پر فوقیت حاصل ہے کہ قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خاص طور پر حاصل ہے اور اس بات میں مرزا صاحب کو آپ پر ترجیح حاصل ہے کہ مرزا صاحب کے بہت سے خلفاء تھے تو مولانا بابا نے خوش ہو کر فرمایا کہ جا ہم نے تجھے سب کچھ دیا اس روایت نے خود ہی پوری حقیقت بے نقاب کر دی۔ مختصر یہ کہ آپ کی اور اک حقیقت ہماری فہم سے باہر ہے۔

قسم اللہ کی جوہر تو جانے نہیں جانو ہے خدا جانے کہ اس نے کیا بنایا فضل رحمن کو

(۹۸) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ عذر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کچھ فکر نہ کرو بس ہمیں اطمینان ہو گیا۔ (۹۹) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے مجذوب کہ جن کے جذبے کو شاہ غلام علی صاحب بھی مانتے تھے آئے تو ان کو جذب جاتا رہا اور میرے پیچھے وضو کر کے نماز پڑھی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ تمہاری نسبت کے آگے ان کی کیا حقیقت ہے (۱۰۰) اسی ضمن میں مولانا بابا نے فرمایا کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوتی ہے تو آپ کے معجزے اس ولی سے کرامت ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس ارشاد نے سارے شکوک کا ازالہ کر دیا بلکہ نبوت اور ولایت کا اصلی رابطہ واضح کر دیا۔ (۱۰۱) اسی ضمن میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نسبت دو قسم کی ہوا کرتی ہے ایک وہبی دوسری کسبی۔ بحمد اللہ میری نسبت وہبی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے یہ چیزیں خود منظر عام پر آگئیں کہ آپ کی ولایت۔ علم۔ من جانب اللہ اور وہبی ہے اور قربیت وخصوصیت نسبت محمدی میں جو مخصوص رتبہ آپ کو حاصل ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص پیار و کرم ہے۔ عمل بالتقوی و اتباع سنت ہی آپ کی وہ شان امتیازی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی یہی آپ کا وہ سرمایہ ہے جس سے خدا نے آپ کو چاہا سید دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چاہا اور نوازا اور سیدۂ جنت بی بی فاطمہ علیہا السلام نے آپ کو اپنا بیٹا بنایا۔ (۱۰۲) محمود خاں صاحب قندھاری جو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے پیر بھائی نے جب مولانا بابا کو لڑکائیں میں دیکھا تو فرمایا کہ یہ ذات کئی سو برس بعد پیدا ہوئی ہے۔ (۱۰۳) اسی بنا پر حضرت غلام علی شاہ صاحب خلیفہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ یہ وہ نور ہے جو مشرق سے مغرب تک روشن کر دیگا۔ (۱۰۴) حضرت بحر العلوم مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے اسی وجہ سے فرمایا کہ جس نے صحابہ کو نہ دیکھا ہو وہ حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کو دیکھے۔

خدا کے پنج تن کے چار یاروں کے حسین جلوے ہے جناب فضل رحمن میں ہیں پنہاں دیکھنے والے ''

(۱۰۵) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مسجد ہے جہاں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور نماز پڑھی ہے جو کوئی اس مسجد میں قدم رکھیگا اس کی عاقبت بخیر ہوگی۔ (۱۰۶) دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ

سے بھی بہی مسموع ہوا ہے۔ (۱۰۷) مولانا بابا نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضرت غوث پاک اور حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہما آتے ہیں (۱۰۸) مولوی شاہ محمد علی صاحب رحمانی مونگیری نے بیان کیا کہ میں نے خود مسجد فضل رحمانی میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت غوث الاعظم رضوان اللہ علیہما کو تشریف فرما دیکھا ہے یہی وہ چیزیں ہیں جس کو سمجھ کر ہر دل یہ کہنے اور ماننے پر مجبور رہے کہ ؎

نبی سے اس قدر مخصوص یہ تھے قرب و نسبت میں
کیا کرتا تھا خاطر فضل رحمٰن فضل رحمٰن کی

ساتواں باب

ازدواج و اولاد

(۱۰۹) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی والدہ جو حضرت تراب علی شاہ قلندر کاکوروی علیہ الرحمہ سے بیعت تھیں جب تنہا رہ گئیں تو آپ کا ارادہ ہوا کر بیٹے کی خانہ آبادی اگر کریں تو کچھ نہ کچھ دلبستگی کا سامان ہوگا چنانچہ آپکا عقد اول دختر محمد عطاء اللہ صاحب ولد مولوی غلام امام صاحب برادر مولانا شاہ محمد فیاض صاحب رحمۃ اللہ علیہم سے قرابت ملاواں میں ہوا جن سے دو صاحبزادے اول شاہ عبدالرحمٰن صاحب بعدہٗ شاہ عبدالرحیم صاحب ہوئے۔ شاہ عبدالرحمٰن صاحب سے ایک صاحبزادے ہوئے جن کا نام بھی عطاء اللہ صاحب تھا مگر ان کی اولاد بعہد صغر سنی ہی فوت ہوگئی۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے مولوی شاہ عبدالرحیم صاحب کے دو لڑکے ہوئے اول شاہ تبارک حسین دوسرے شاہ حامد حسین عرف مدے میاں پھر ایک دختر ہوئیں جو مولوی محمد رضا صاحب سندیلوی مولود خاں کو منسوب ہوگئیں۔ ان صاحبزادی کی پیدائش کے کچھ روز بعد ہی مولانا بابا علیہ الرحمہ کی حرم اول کا وصال ہو گیا جو خانقاہ ملاواں میں مدفون ہیں۔

ورود گنج مرادآباد

(۱۱۰) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے میاں محب علی ساکن ملاواں کے بدست حضرت مرشد کا مکتوبہ خلافت نامہ پاکر احترام حکم مرشد پر جب ہدایت کا آغاز کیا تو لوگوں نے بجائے قبول نصیحت اور تکلیفیں دینا شروع کر دیں ایک تو یہ حالات دوسرے حرم اول کا وصال تیسرے گنج مرادآباد میں ایک پیغمبر خدا کا مزار شریف اور بعض جلیل القدر اولیائے کرام کے سبب بجائے کسی اور طرف عازم ہونے کے آپ نے گنج مرادآباد کو ترجیح دی اور ملاواں سے ترک وطن فرما کر ۱۲۳۳ھ میں خود مع والدہ صاحبہ اور ایک بکری کے گنج مرادآباد میں نزول اجلال فرما کر سنت ہجرت ادا فرمائی بحساب سن آپ کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی۔ گو اس سے بہت پہلے آپکے مرشد نے خلافت نامہ قیام ملاواں میں بھیجدیا تھا۔ جتنا بھی غور کیا جائے منعم عم نوالہ کا کرم اور بھی بے نقاب ہو جاتا ہے کہ یہ صغر سنی اور قطب الارشادی کا دور دورہ (۱۱۱) دوبارہ جب آپ مرشد کی یاد میں مکتوب مذکور پاکر بے قرار ہوئے تو دہلی تشریف لے جاتے وقت سترہ سال سے متجاوز نہ تھے کہ آپ کو عہدہ قطب الاقطاب تفویض ہو چکا تھا۔

قیام مسجد

(۱۱۲) گنج مرادآباد میں ایک مسجد قدیم عہد شاہی کی مع مقبرہ تھی اسی جگہ کو آپ نے پسند فرمایا جو آج مسجد فضل رحمانی ہے (۱۱۳) متاع دنیاوی میں آپ کے پاس ایک باندی کی بنی ہوئی چارپائی ایک تین چار ہات کی چوبی چوکی ایک پانی کا گھڑا کھجور کی چٹائی۔ کلوخ و پانی کا بدھنا تھا۔

(۱۱۴) آپ کی بکری ملازم کا کام دیتی جب آپ کی والدہ کو ضرورت آپ کی ہوتی تو وہ بکری سے آپ کے پاس جانے کے لئے فرماتیں بکری آپ کے پاس آتی اور آپ اس کے ساتھ زنان خانہ تشریف لے جاتے۔ (۱۱۵) اصل مقصد بکری پالنے کا نہ دودھ کی حاجت تھی نہ کسی اور سبب سے بلکہ اس کو محض اس لئے کہ یہ سنت انبیا علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے

شکایت بے حرمتی تعزیہ

(۱۱۶) مسجد کے ایک گوشہ میں ڈوروں کے اندر تعزیہ رکھے تھے مولانا بابا علیہ الرحمہ نے مسجد سے تعزیہ ہٹا کر فرمایا کہ اس کو مقبرہ وغیرہ میں رکھو مسجد تو عبادت کی جگہ ہے۔ ایک بدخواہ مخبر نے نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ سے بڑھا چڑھا کر مخبری کی کہ حضرت مولانا بابا نے تعزیوں کی سخت بے حرمتی کی ہے بادشاہ لکھنؤ کی طلبی پر مولانا بابا علیہ الرحمہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ یہاں جو اہلکار اپنے ہمراہ آپ کو لینے آیا اسے خود بھی آپ نے دکھلایا کہ ہم نے کوئی بے حرمتی نہیں کی ہاں عبادت کی جگہ سے یہاں منتقل کر دیا ہے۔ اہلکار نے عرض کیا کہ بالکل درست ہے مگر آپ کو لکھنؤ تک تکلیف بہر حال کرنا پڑیگا پس آپ کو ایک بیل گاڑی پر بٹھا کر لے گئے۔ لکھنؤ پہنچنے سے قبل بادشاہ لکھنؤ کے میر منشی نے جو مولانا بابا کے رشتہ دار بھی تھے شاہ لکھنؤ سے آپ کے محامد و مناقب بتا کر کہا کہ مولانا بابا بڑے محب اہل بیت ہیں ان سے تعزیہ کی مشہور کردہ بے حرمتی ناممکن ہے اتنے میں مولانا بابا صاحب بھی تشریف لے آئے تو شاہ لکھنؤ نے آپ کا بڑا احترام کیا اور بایں حال پر بھی ثابت ہوا کہ صرف جائے عبادت سے تعزیہ دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے تو شاہ لکھنؤ نے اس تکلیف پر معذرت خواہ ہو کر دو ہزار روپیہ نذر پیش کی اور بصد عزت رخصت کیا مخبر زرد رو ہوا۔ مولانا بابا نے وہ نذرانہ وہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا جس کو دیکھ کر لوگوں نے اور بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ اور آپ واپس آکر مقیم مسجد ہوئے۔

لغو روایت

ہم کو یہ دیکھ کر بے حد رنج ہوا کہ کمالات رحمانی صفحہ ۲۲ میں یہ مسطور ہے کہ (۱) آپ نے جوش شریعت میں آگ لگا دی (۲) تلنگوں کی دوڑ آئی (۳) پائے مبارک میں لوہے کی بیڑیاں ڈالی گئیں۔ (۴) محمد جعفر خاں ساکن سندیلہ جو راجہ گوالیار کے یہاں میر منشی تھے نے نواب لکھنؤ کو چھوڑ دینے کا خط لکھا۔ ان بے سروپا باتوں کا ہم جواب ہی کیا دے سکتے ہیں مؤلف کا دعویٰ ہے کہ میں نے تصدیق واقعات حضرت قبلہ مولانا شاہ رحمت اللہ میاں صاحب مدظلہ سے کی ہے یہ اس لئے صحیح نہیں کہ صاحب سجادہ مدظلہ کا وہی بیان ہے جو ہم نے تحریر کیا بلکہ جہاں جہاں بھی ہم نے غلطیوں پر توجہ دلائی ہے وہ اسی بنا پر کہ والد صاحب قبلہ سجادہ نشین مدظلہ کے بیان کردہ سے مطابق نہیں۔ بیڑی ڈالنے تعزیہ جلانے اور محمد جعفر خاں کی سفارش و گرفتاری بالکل بے بنیاد چیزیں ہیں۔

ایک اور تصحیح

(۱۱۷) کمالات رحمانی صفحہ ۲۱ پر "چونکہ مقام درویشی میں آپ کا مقام تارک تھا" مسطور ہے: افسوس یہ دیکھ کر اور بھی ہوتا ہے کہ مؤلف نے مقام درویشی تو پہچان لیا لیکن تارک کی تعریف نہ جانی۔ تعجب یہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے حاضر باش لوگ تھے کیونکہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ کے پاس اول سے آخر دم تک بھی بوریہ بدنما رہا گیا۔ اگر ذرا دیر کو صاحب کمالات رحمانی کی بات کی ہم تائید بھی کسی طریق پر کرنا چاہیں تو بھی صد افسوس نہیں کر پاتے کیونکہ اس حالت میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ مولانا بابا آخر عمر تک تارک کے درجے

ہی پر رہے کیونکہ یہی چیزیں آخر عمر تک آپ کے ساتھ رہیں حالانکہ ایک سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر رہ نہیں سکتا کہ اس سے زائد جامع توکل اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ مسئلہ سلوک یہ ہے کہ جس شخص کا درجہ تارک ہونا ہے اس کو متاع دنیوی ہی سے ترک ضروری نہیں ہونا بلکہ اہل دنیا سے بھی ترک لازمی ہونا ہے دوسری ایک تارک سے افادۂ خلق اللہ اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک وہ مقام ترک میں رہتا ہے نیز مولانا بابا علیہ الرحمہ سے حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے اول حاضری میں فرمایا کہ میاں فضل رحمٰن تمہارا کام انجام پا چکا اب تم جاکر خلق خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ یہ چیز مقام ترک کے بالکل معارض ہے۔

عقد ثانی

گنج مراد آباد کی مخلوق بھی اگرچہ بے راہ احکام خداوندی سے ناآشنا۔ ذرا ذرا سی بات پر بڑھ جانے والی اور نشہ ریاست میں بدمست تھی مگر قدیم خاندان نوابین و عالی نسب ہونے کے باعث اخلاق آشنا۔ متواضع اور وضع پر مٹ جانے والے لوگ ضرور تھے جو تھوڑے دنوں میں اس غوث وقت کے معتقد اور معترف ہو گئے (۱۱۸) اگرچہ کچھ نااہل موجب تکلیف اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ رہے نہ دادا میاں صاحب علیہ الرحمہ کے عہد میں ان کی رگ عناد چین سے بیٹھ سکی نہ والد صاحب قبلہ کے وقت میں ان کے جذبات بغض نے خود ان کو سکون لینے دیا نہ ہم ان سے مامون رہ سکے لیکن اس فضل رحمانی سے وہ کیسے اعلان جنگ کر سکتے تھے جو ان کی ہر تخریبی کارروائی کو خود ان کے لئے سم قاتل بنا تی رہی۔ بہر حال رؤسائے قصبہ حاضر خدمت رہنے لگے اور عقیدتاً ان ہی حضرات نے تحریک شادی کی چنانچہ دیوان میر کریم بخش صاحب علوی کی بھتیجی صاحبہ سے مولانا بابا کا یہ عقد ثانی ہوا۔

کریم شبیر صاحب علوی

(۱۱۹) صاحب کمالات رحمانی صفحہ ۲۲ پر ناقل کہ غلط لکھا کہ لڑکی رئیس زادی ہے اور اس مراد آباد کے زمینداروں کی مالک ہے ایک مفلس آدمی سے کیوں عقد ہوتا ہے الخ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ نواب میر کریم شبیر صاحب علوی قیوم اول حضرت خواجہ معصوم الشان علیہ الرحمہ سے بیعت اور شہنشاہ عالمگیر علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے وہ اگرچہ بقید حیات نہ تھے مگر موصوفہ حرم ثانی کے والد صاحب وان کے اعزا جو مولانا بابا کے معتقد ہو چکے تھے از راہ حسن عقیدت یہ سعادت حاصل کی تھی قسام ازل کی منشا ہی یہ تھی کہ اس طرح نااہل مخالفین بستی کا زور ٹوٹ جائے۔ (۱۲۰) نواب کریم شبیر صاحب علوی سید تھے نواب اور خانصاحب کا خطاب دربار عالمگیری و شاہجہانی سے پائے تھے اور بہت بڑا علاقہ ضلع بستی تک آپ کے زیر اہتمام تھا۔ میر صاحب کے دو بیٹے تھے نواب مراد شبیر علوی۔ نواب سلطان شبیر علوی۔ یہ ہر دو بھی دربار شاہجہانی کے خطاب یافتہ تھے (۱۲۱) چنانچہ میر صاحب نے اس قصبہ کو اپنے بیٹے مراد شبیر صاحب کے نام پر آباد کیا اور مراد آباد وجہ تسمیہ ہوئی دوسرا قصبہ سلطان گنج سلطان شبیر صاحب کے نام پر آباد کیا۔ مراد آباد سنبھل سے اشتباہ کی بنا پر اس گنج مراد آباد موسوم کیا گیا کریم شبیر صاحب کا مرقد روضۂ شریف کے وسط میں ہے جس کے داہنے قیوم دوراں دادا میاں اور بائیں جانب غوث زماں مولانا بابا رحمۃ اللہ علیہم محو خواب ہیں۔

اولاد حرم ثانی

(۱۲۲) مولانا بابا کی حرم ثانی سے اولاً جد بزرگوار قیوم دوراں حضرت مولانا شاہ احمد

میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ پھر ایک صاحبزادی مسماۃ شفقت بی بی پھر ایک صاحبزادے حضرت سید محمد عرف سید و میاں صاحب جو مادرزاد ولی مجذوب تھے پیدا ہوئے۔ شفقت بی بی کا عقد مسمیٰ سید احمد شاہ صاحب ولد سید محمد شاہ صاحب ساکنہ مقام کلھوا بندہی ضلع اعظم گڈھ جو سید میر حیات قلندر علیہ الرحمہ کی اولاد میں تھے سے ہوا شفقت بی بی صاحبہ کا مزار شریف بر سمت حصہ جنوبی خانقاہ شریف میں واقع ہے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک کا انتقال ہو چکا بقیہ بقید حیات ہیں سید احمد شاہ نے موصوفہ بی بی کی حیات میں ایک نوربافٔ قوم کی عورت سے عقد کر لیا جس سے حرم اول کافی ملول خاطر رہنے لگیں سید صاحب کی ان حرم ثانی سے بھی اولاد ہے جس میں ایک فوت باقی بقید حیات ہیں۔ سید و میاں صاحب کا ذکر آگے آرہا ہے۔

عقد سویم

(۱۲۳) مولانا بابا کی حرم دویم کا وصال شریف سنہ ۱۳۰۲ھ میں ہوا۔ اس وقت والد ماجد حضرت صاحب سجادہ مدظلہٗ تین برس کے تھے۔ ان بی بی صاحبہ کے وصال کے بعد مولانا بابا صاحب نے کئی برس عقد نہ فرمایا لیکن انثیین میں زخم ہو جانیکی وجہ سے آپ کو طہارت میں سخت وقت واقع ہونے لگی اس اثنا میں مسماۃ مریم بی بی نے جو عرب سے مولانا بابا سے بیعت ہونے آئی تھیں حرم سویم ہونے کا فخر حاصل کیا موصوفہ نے آخر عمر کے تقریباً سترہ سال نابینا رہ کر گذارے دادا میاں رحمۃ اللہ علیہما کے وصال کے بعد بھی موصوفہ نے چودہ پندرہ سال بقید حیات رہ کر گذارے باغ تربوز والا میں محو خواب ہیں۔

قیوم دوراں علیہ الرحمہ

(۱۲۴) حضرت قیوم دوراں دادا میاں علیہ الرحمہ کی خانہ آبادی بھی اسی خاندان نوابین دیوان کریم شیر صاحب علوی کی پوتی صاحبہ دختر نواب مظفر علی صاحب علوی سے ہوئی جن کو بی بی صاحبہ کہا جاتا ہے۔ آپ سے پانچ دختران اور دو صاحبزادے ہوئے اول صاحبزادی مسماۃ جمعیت بی بی اوائل بلوغ میں اور پانچویں صاحبزادی صغر سنی میں داغ مفارقت دے گئیں ہر دو کے مزارات خانقاہ رحمانیہ میں ہیں باقی تین دختران سے بعد اول صاحبزادے حضرت مولانا شاہ قبلہ رحمت اللہ میاں صاحب سجادہ مدظلہٗ ۲۹ رجب سنہ ۱۲۹۹ھ کو اور چھوٹے صاحبزادے امام الکلام حضرت مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحب مدفیضہٗ ۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۸ھ کو پیدا ہوئے ہر دو برادران کا تفاوت عمری نو ۹ برس ہے ہماری دلی دعا ہے کہ ہر دو برادران قبلی البرہان کا سایۂ عاطفت ہمارے اور مریدین کے سروں پر منعم حقیقی تا دیر قائم رکھے آمین۔

خانہ آبادیاں

(۱۲۵) دختر صاحبہ عابدہ بی بی منشی نیاز احمد صاحب ساکنہ ملاواں کو بیاہی گئیں کوئی اولاد نہ ہوئی صرف موصوفہ بقید حیات ہیں (۱۲۶) تیسری دختر صاحبہ صغریٰ خانم بی بی زوجہ چودھری احسان احمد صاحب بانگرموی تھیں جو فوت ہو چکیں۔ (۱۲۷) چوتھی دختر صاحبہ راحت بی بی قاضی سعید اللہ مچھلی شہری کو منسوب ہوئیں۔ شوہر و زوجہ دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ (۱۲۸) صاحب سجادہ عالیہ مدظلہٗ کی خانہ آبادی قاضی اشفاق حسین صاحب ولد قاضی خیرات حسین صاحب کی دختر سے ہوئی جو موضع حضرت پور تحصیل بلگرام ضلع ہردوئی کے متوطن تھے آپ کی دو اولادیں ہوئیں جو صغر سنی میں فوت ہو گئیں۔ (۱۲۹) امام الکلام مولانا شاہ نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی خانہ آبادی میر سرفراز علی صاحب علوی رحمانی ساکنہ فیض آباد کی دختر صاحبہ سے ہوئی جن سے اولا

کئی دختران پیدا ہوکر داغ مفارقت دے گئیں چھ سات سال بعد ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو افضال رحمٰن عرف بھولے میاں اس کے بعد ۵ ۲ صفر ۱۳۳۶ھ کو احمد رحمٰن عرف محمد میاں پیدا ہوئے ۱۳۳۸ھ میں میری والدہ کی وفات حسرت آیات نے نیم جاں کر دیا۔ (۱۳۰) بعد ازاں امام الکلام صاحب مدظلہ عقد ثانی مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی کی دختر سے ہوا جن سے اولاً آفاق الرحمٰن پھر ولی الرحمٰن بعدہ ایک دختر پھر جلیل الرحمٰن پیدا ہوئے۔

غوث زماں کا وصال شریف

(۱۳۱) بظاہر یہ چند سطریں ہیں لیکن رنج والم کے دفاتر ہیں یکم ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے مزاج کچھ زائد ناساز رہنے لگا مگر کمال اتقا یہ تھا کہ ایک وقت کی بھی نماز نہ چھوٹی۔ پھر آپ کے سینے میں درد پیدا ہوا جس سے خلش تکلیف اور بڑھی گو یہ بظاہر مرض تھا مگر بباطن خدا سے ملنے کا بہانہ تھا اسی حالت میں ۲۲ ربیع الاول کا دن آیا تو استغراق بحضرت حق اور زائد ہوگیا آپ جناب احدیت کی یاد میں ان تکالیف کے باوجود تسبیح و تحلیل سے معروف تھے کبھی رب تقبل منی کلمۂ طیب بھی زیر لب ہوتا۔ غرضیکہ عصر و مغرب کے درمیان مکان دنیاوی سے مکان اخروی میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مَاتَ قُطْبُ الْھِنْد نیز رَضِیَ اللّٰہُ کَافِیاً عَنْہُ سے ۱۳۱۳ھ نکلتی ہے۔

وصال دادی صاحبہ

(۱۳۲) ہماری دادی صاحبہ (بی بی صاحبہ) کا وصال شریف ۱۳۲۸ھ بتاریخ ۲۸ ربیع الاول ہوا۔ مرقد شریف اندرون خانقاہ ہے موصوفہ بڑی متقی و عابدہ بی بی تھیں۔ اور بڑی ہی خیر و برکت کی مالک۔

وصال دادا میاں صاحب

(۱۳۳) مجھے یہ رنج آج بھی ستاتا ہے کہ میں صرف دو ماہ اکیس دن ہی کا تھا کہ وہ سایہ جس کا میں آج بھی روز اول کی طرح متلاشی ہوں میری بدقسمتی سے چھن گیا یہ تمنا مٹائے پر بھی مٹ نہیں پاتی کہ کاش شان رحمت کچھ اور رحمت سے کام لیتی تو میں اس آئینہ انوار حقیقت کا مشاہدہ بقید ہوش اس چشم ظاہری سے کر لیتا۔ گو میری والدہ مرحومہ مجھے چار برس سے کچھ کم کا ہی چھوڑ کر سدہاری لیکن ان کی یاد بھی اتنا نہیں ستاتی جتنی یہ خلش موجب خلش رہا کرتی ہے جناب پھوپھی صاحبہ سے یہ سن کر کہ حضرت قبلہ دادا میاں صاحب نور اللہ ضریحہ مجھے طلب فرما کر اپنے سینہ مبارک پر لٹا کر کھلاتے و پیار فرماتے تو بجائے تسکین اپنی بدبختی کا یقین ہونے لگتا ہے۔ غرضیکہ حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ کو آخر عمر میں درد گٹھیا کی کافی شکایت رہنے لگی قرب وصال پر حرارت اور بھی تیز ہوگئی حتی کہ یکم صفر ۱۳۳۵ھ کو بعد فجر آپ واصل بحق ہوئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ جَلَّ وَعَلا سے ۱۳۳۵ھ نکلتی ہے۔

وصال والدہ صاحبہ

(۱۳۴) میں ابھی چوتھی برس میں تھا کہ والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ والدہ صاحبہ کے دوپٹے کا چراغ سے پلو مس ہونے پر آگ لگی جو دفعتاً کپڑوں میں پھیل گئی اور کافی حصہ جسم جل گیا۔ اسی تکلیف کی حالت میں بحالت حمل ہشت ماہی موصوفہ کا وصال ہوا مرقد باغ تربوز والا میں ہے۔ مفارقت ابدی سے کچھ پہلے (۱۳۵) والدہ مرحومہ نے ہم دونوں بھائیوں کا ہاتھ حضرت صاحب سجادہ مدظلہ کے دست سزا یا برکت میں دیکر سونپ دیا۔ چنانچہ موصوف نے ایسی مہربداری سے

پرورش فرمائی کہ کبھی یاد بھی آنے نہ دیا کہ ہماری ماں کوئی اور تھیں۔ تحصیل علم کرائی دستار فضیلت باندھی۔ خانہ آبادیاں کیں چنانچہ میری نسبت میر سرفراز علی صاحب علوی کے صاحبزادے حاجی شاہ محبوب عالم صاحب فیض آبادی جو حضرت امام الکلام مولانا نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کے برادر نسبتی ہیں کی دختر سے کی۔ یہی نہیں میرے دونوں لڑکوں اور دونوں لڑکیوں کے عقیقہ و ختنہ بھی اسی اولوالعزمی سے کیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آج بھی میں کسی کو بر سبیل تذکرہ یہ کہتے سنتا ہوں کہ ہم کو صاحب سجادہ مدظلہ نے پسر متبنّیٰ کیا ہے تو ان لوگوں کی یہ دنیاوی اصطلاح بری طرح کھلنے لگتی ہے۔ انہیں چیزوں سے متاثر ہو کر اپنی دستار فضیلت کے موقعہ پر میں نے خدمت بابرکت میں بایں الفاظ خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

نظم

وجہ قرب فضل رحمٰن تھا ہمارا امتحاں — سب سے پہلے مادر مشفق کی مرگ ناگہاں

شق ہوا جاتا ہے سینہ داستاں کہتے ہوئے — یعنی حال مادر خلد آشیاں کہتے ہوئے

نزع کا عالم ہے ہونٹوں پر ہے دم آیا ہوا — مردنی کے ساتھ چہرے پر ہے غم چھایا ہوا

غم یہ ہے چھٹتے قیامت تک کو ہیں نور نظر — آسمان فضل رحمٰن کے یہ خورشید و قمر

والدہ کہتی ہیں با حسرت بچشم تیر سے — دو ہرن زخمی نہ کرنا موت کے اک تیر سے

رحمتِ اللہ کا اتنے میں ہوتا ہے گذر — آتی ہے آواز۔ بی بی امتحاں ہے صبر کر

چھوڑ جا بچوں کو اپنے رحمتِ اللہ پر — رحمتُ اللہ سر پہ ہے پھر تجھ کو کیا خوف و خطر

دونوں بچوں کی انہیں کو بانہہ پکڑانے کے بعد — روح رخصت ہو گئی ہونٹوں سے یہ فرمانے کے بعد

پالنا آساں نہیں معصوم بچے زینہار — اور پھر وہ۔ جو ابھی ہوں شیر خوار و خورد سال

تو فرشتہ پالے جا سکتے ہیں بچے خورد سال — اہرمن کی نیرنگاہوں سے بچانا ہے محال

اہرمن بھی برسرپیکار ہے یزداں کے ساتھ — معرکہ کرتا ہے اکثر صاحب ایماں کے ساتھ

جب نظر اس کی پڑی اس رحمتی انگوٹھیں پر — ایک بجلی سی گری اس کے دماغ و ہوش پر

یوں تو مدت سے تھی خار باغ رحمٰن کی کھٹک — پھول ہو دیکھے ہوئی طرفہ گلستاں کی کھٹک

غیض میں آیا تو برپا ایک طوفان کر دیا — خود پریشاں ہو گیا۔ سب کو پریشاں کر دیا

مسکرائی قوت یزداں یہ حالت دیکھ کر — اہرمن بھاگا نزول ابر رحمت دیکھ کر

رحمتِ اللہ بشکل رحمت اللہ ہو گئی — فتح ایماں یعنی فتح نعمت اللہ ہو گئی

لاڈ سے ہم کو بہ راہ راست دکھلاتے رہے — گتھیاں ترقی راہ میں خوبی سے سلجھاتے رہے

لغزشوں پر سختیاں کیں دشمن جاں کی طرح — بے کلی پہ پھر گھرکیاں کیں رہے ماں کی طرح

قبر میں آرام سے سونے کا ساماں کر دیا — مادر بیکس کے پھولوں کو گلستاں کر دیا

جب تلک جو بھی جہاں میں دین کی نعمت رہے — ہم فقیروں کے سروں پہ نعمت و رحمت رہے

آٹھواں باب

حیوۃ اولیائے کرام

یہاں یہ ضروری ہے کہ اولیائے کرام کی حیوۃ طیبہ پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے گو اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب شرع کی کہانی خود اس کی زبانی میں حدیث و قرآن و علمائے سلف و خلف کے دلائل قاطعہ سے ثابت کر دیا ہے (۱۳۶) یہ تو آپ کا بھی ذاتی تجربہ ہے کہ مختلف الکیفیات چیزوں کو اگر کسی مشین کی مدد سے کتنی ہی بلیغ کوشش کی جائے لیکن ان کو خون میں منتقل نہیں کر سکتے مگر جب ان کو پیس کر کاٹ کر پکا کر چبا کر معدہ میں پہنچاتے ہیں تو یہ جگر کے ذریعہ خون کی شکل اختیار کرتی ہیں پھر اسی خون سے مختلف اجزائے جسمانی گوشت پوست۔ ہڈی بال وغیرہ کی نشو و نما ہوتی ہے اس مثال کے ماتحت یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اسی طرح جب جسم مجاہدات و ریاضات کی مشقت برداشت کر لیتا ہے اس وقت وہ جزو روح اور لطیف بن جاتا ہے۔ شاید اگر آپ کو کچھ تامل ہو تو اس طرح سمجھئے کہ پانی کتنا وزنی عمیق و غظیم اور ٹھوس ہے۔ لیکن اس کی رقت و لطافت سے اس کے اندر کتنی دور تک انسان جا سکتا ہے جا سکتا ہے۔ پانی پھٹے گا پھر ایک ہو جائے گا اسی طرح جزو روح بننے کے بعد بھی صورت جسم انسان کی ہوتی ہے جو صرف بظاہر جسم اور ٹھوس رہ جاتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ جب مجاہدات کرتے ہیں اور فضل ربانی ان پر نازل ہوتا ہے تو ان کے اجسام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے کہ تمام اجزائے عنصری اجزائے روحانی میں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دیکھئے نہ کہ جو لوگ فن کشتہ جات میں کمال رکھتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں نقرہ اور مس کو کس طرح زندہ کرتے اور اسی انداز سے کشتہ بنا لیتے ہیں یہی مثال اولیائے حق کے لئے ہے کہ وہ بھی سراپا روح بن جانے کے بعد بیک وقت کئی جگہ موجود ہوتے۔ آگ اور پانی سے گذر جاتے بند مکانوں سے اندر اور اندر سے باہر آتے جاتے سالہا سال کھانے پینے سے بے پرواہ رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجزائے عنصری سے یہ ممکن نہیں ہے اس لئے ماننا پڑیگا کہ یہ خصوصیات روح ہیں۔ یاد ہو گا کہ حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی علیہ الرحمہ ایک رسی سے بار بار باندھے جاتے مگر آپ اس بندش سے صاف نکل جاتے اور رسی بھی نہ ٹوٹتی۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کو ناالگ خلق کی صدا پر مفتی شرع نے گردن زدنی کا حکم دیا جلاد نے تلوار ماری لیکن وہ تلوار کاٹ نہ کرتی بلکہ پھولوں کا ہار بن جاتی۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ حیات دائمی کے حامل ہیں قبر میں زندہ ہیں تصرفات بہ قدرت حق کرتے ہیں۔ اگر غور کیجئے تو یہ حقیقت اس طرح اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موت اور نیند دونوں بہنیں ہیں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ موت حواس خمسہ کے معدوم ہونے کا نام ہے اور نیند صرف ان حواس کے وقتی تعطل کا نام ہے حواس خمسہ کا تعلق صرف جسم سے ہے چونکہ مشائخ کرام پیکر روح بن جاتے ہیں تو انہیں جسمانیت سے بھی برائے بیت تعلق رہ جایا کرتا ہے یہ زندہ بھی رہتے ہیں اور جسم سے بے تعلق بھی کیونکہ رجحان تو صرف روح لطیف کی طرف ہوا کرتا ہے اب جو ان کا جسم ہے بھی وہ ماتحت روح ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اب ذرا اس پر غور کیجئے کہ جب موت حواس خمسہ کے بطلان کا نام ہے تو یہ چیزیں کثرت مجاہدات و ریاضات روحانی سے اولیاء پہلے ہی فنا کر چکے تو جسم ظاہر کا تعلق بھی شروع میں ختم ہو چکا اب موت آئیگی تو کسے اور مریگا تو کون۔ روح تو غیر فانی ہے اور اپنے آمر سے تعلق و ربط محکم پا رہی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت سے اعتراض کی بیجا کوشش نہ کیجئے۔ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ آپنے

آیت کریمہ کو سمجھا ہی نہیں کس کی مجال ہے کہ حکم ربی سے انکار کر سکے مگر ذرا آنکھ کھول کر یہ بھی تو دیکھئے کہ حکم ربی ہے کیا۔ خدا واضح طور پر جو حکم دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ موت نفس پر طاری ہوا کرتی ہے۔ اس سے نفس کو مفر نہیں۔ لیکن ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ روح پر موت کہاں طاری ہونیکا حکم آلہی ہے یہی تو وجہ ہے کہ روح کو بقا اور نفس کو فنا ہے اسی حقیقت کو سمجھنے والے اولیا و انبیا ہی تو ہیں وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں روز اول ہی سے یہ خاصان حق نفس کشی شروع کر کے اجزائے عنصری کو روح کی لطافت سے رنگ کر پیکر روح بن جاتے ہیں اسی بنا پر تو ملا علی قاری نے یہ تصریح کی کہ الا ان اولیاء اللہ لایموتون بل ینقلبون من دار الی دار اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ دار فانی سے دار باقی میں منتقل ہو جایا کرتے ہیں۔ یہاں آکر ان کی تاثیر اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہاں نفس عنصری کا وہ عارضی لگاؤ بھی تو حائل نہیں رہ جاتا۔ پھر ایک پیکر لطیف کے لئے یہ کیسے بعید ہو سکتا ہے کہ وہ جہاں چاہے جسطرح چاہے اور جا نہ سکے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اولیاءی تحت قبائی لا یعرفھم غیری کہ میرے اولیا میری قبائے کبریائی کے تحت ہیں ان کو میرے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا قرآن کریم میں ارشاد ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ نکتہ۔ عدم شعور کی قید اس لئے لگائی گئی اس حیوٰۃ کی حقیقت تمہاری فہم سے بہت بالا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء الخ جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جان دی تم انہیں مردہ خیال مت کرو وہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو حصہ رزق دیا ہے وہ اس سے مستفید ہیں اور خوش و خرم رہتے ہیں۔

اعتراض اور فرق حیات شہید و ولی

یہ اعتراض کرنا کہ آیات قرآنی سے حیات شہدا تو ثابت ہے لیکن حیات اولیا ثابت نہیں بچوں کی نادانی جیسی باتیں ہیں۔ (۱۳۷) کون نہیں جانتا کہ جہاد دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جہاد جو جنگ سے مرادف ہے دوسرا جہاد نفسی ہے اسی طرح شہادت بھی دو طرح پر ہے ایک شہادت کبریٰ دوسری شہادت صغریٰ۔ علمائے محققین نے جہاد نفسی کو جہاد اکبر ثابت کر دیا ہے پس یہ شہادت بھی دو وجہ سے خالی نہ ہوگی۔ حربی ترانوں اور جنگی طبل کے آغوش میں ایک عالم جوش و کیف کے ساتھ کفار کے نرغے میں آنا اور ان کا سر تن سے جدا کرنا واقعی گراں قدر چیز ضرور ہے مگر ایسے لوگ صرف شہید حربی کے خطاب سے موسوم ہو سکیں گے کیونکہ یہ تو مقتول بدست کفار ہیں مگر اب ذرا نفسی جہاد پر نظر ڈالئے اور جو ذات مقتول بدست ناز یار ہو اس کی بے قراریوں بے تابیوں پر بھی غور کیجئے فراق کی یہ گھنگھور گھٹائیں ہیں بے تابیوں کے بادل امڈے ہیں اشکباریوں کا سمندر موجزن ہے شب بیداریاں ہیں تنہائیاں ہیں ہجوم غم ہے وفور الم ہے تن کا ہوش ہے نہ جان کی فکر ہے ساتھ ہی اس تصویر کا دوسرا اہم ترین رخ بھی ملاحظہ ہو کہ منشائے دوست ہے کہ رسوا ہو مگر اف نہ کرو۔ زبان طعن کے تیر گوارا کرو مگر لب نہ ہل سکے جس حال میں ہم دیکھنا چاہیں اس سے قدم نہ ڈگے۔ کسی طرف سے آواز ہے کہ پکا فریبی ہے کسی طرف سے صدا ہے کہ بڑا دنیا دار و مکار ہے مگر چونکہ مرضی دوست یہی ہے کہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے راضی برضائے دوست رہو قفل خاموشی لگا رکھا ہے۔ یہ تماشا

اولیائے حق پر ہی محدود نہیں بلکہ انبیاء و مرسلین عظام سے بھی یہی ناز و انداز ہیں رسولوں کا مذاق جا بجا اڑ رہا ہے
نبیوں کو علی الاعلان جھوٹا کہا جا رہا ہے۔ تزکیۂ نفوس اور حکمت کی باتوں کو دیوانگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ پتھر بازی
کی جا رہی ہے۔ دھکے مارے جا رہے ہیں۔ عبادت خود کا بھی کرنا مشکل ہے اُوجھ کے بوجھ سے دبے پڑے ہیں۔ کون سے
ستم نہیں ہوئے کون سے چرکے نہیں کھائے۔ لطف یہ ہے کہ خود شہید ناز بھی یہ جانتا ہے کہ دراصل یہ چیزیں بری
ہیں لیکن قدرداں محبوب تو محو تماشا ہے پس بدلہ و انتقام کا خیال بھی نہیں بلکہ ہر لحظہ الٹے لرزہ براندام ہیں کہ کوئی
ایسی لغزش و خطا مبادا سرزد کہیں نہ ہو جائے جو بے نیاز محبوب دلربا یہ تماشا ہی ختم کر دے۔ ان باتوں کے علاوہ
رزق و معاش کی بھیانک تنگیاں بھی محیط ہیں مگر شہید ناز ہے کہ کسی سمت متوجہ ہی نہیں ہے اگر اسے کچھ دھن ہے تو صرف
رضائے محبوب بہر حال مقدم رکھنے کی دھن ہے ہر طرف سے بے پرواہ ہے۔ مشاہدہ صادق ہے کہ عاشق کی مقبولیت نگاہ معشوق
میں اسی وقت ہوا کرتی ہے جب کہ معشوق اپنے عاشق کی الم نفسی اذیت کوشی سے متاثر ہو یہی ان کامل انسانوں
کی معراج کمال ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ مقتول بدست کفار سے مقتول بدست ناز یار ہر طرح افضل ہیں (۱۳۸)
علمائے محققین کی تصریح متفقہ یہی ہے کہ شہید حربی ایک مرتبہ تلوار کے زخم کھا کر شہید ہو جاتا ہے لیکن شہید
ناز ہزاروں کیا لاکھوں بار لا الٰہ الا اللہ کی تیغ سے نفس کو ذبح کیا کرتا ہے (۱۰۳۹) ایک صاحب باطن ولی
سے ایک شخص نے سوال کیا کہ شہید حرب کا رتبہ بلند ہے یا شہید ناز کا؟ تو ولی موصوف نے ایک عالم کیف
میں آ کر والہانہ انداز میں فرمایا کہ شہید حربی مقتول بدست کفار و این مقتول بدست ناز یار" المختصر یہ فیصلہ خود آیات
قرآنی نے کر دیا کہ مرنے پر بھی زندگی کا وجود ہے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں سے
کے برابر من نہد شاہ مجید ؏ اشک را در وزن با خون شہید۔ شہید حرب کے خون سے شہید ناز کی آنکھ کا ایک آنسو
کہیں زائد گراں قدر ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ شہدا بھی شہید ہیں مگر یہ شہادت صغریٰ ہے اور اولیاء اللہ بھی شہید
ہیں ان کی شہادت شہادت کبریٰ ہے از روئے شہادت متحد ہے۔ رہی خدا کی راہ۔ تو جس طرح خدا کی راہ میں غلبہ
دین کے لئے کفار سے معرکۂ جنگ کیا جاتا ہے اسی طرح خدا کی راہ یہ بھی ہے کہ نفس کو ختم کر کے روح کو اسکے
امر کے رنگ میں رنگ کر اللہ لطیف سے لطافت حاصل کی جاتی ہے اور پر عمل
پیرا ہوا جاتا ہے اس معرکۂ کفار کی بہ نسبت یہ راہ حق جتنی مشکل سخت و دشوار ہے اتنی ہی بلند ممتاز اور اقرب الوصول
بحضرت حق ہے قرآن کریم نے شہید کا زندہ ہونا ثابت کر دیا چنانچہ اب شہید حربی ہو یا شہید دست ناز
یار دونوں کی حیات مسلم الثبوت ہو گئی۔ یہ قرآن کریم کی انتہائی جامعیت و بلاغت ہے کہ صرف شہادت راہ خدا
ہی کے الفاظ سے انبیاء و مرسلین و شہدا و اولیاء سب کی شہادت و حیات ثابت کر دی ورنہ صاف ظاہر ہے کہ
انبیاء و مرسلین کے لئے بھی قرآن کریم نے یہ واضح الفاظ نہیں فرمائے جیسا ان آیات میں بتایا گیا اور یہ مانی ہوئی چیز
ہے کہ شہدائے کرام سے کہیں اولیٰ و ارفع و اعلیٰ انبیاء و مرسلین ہیں تو قرآن پر اعتراض عائد ہوگا کہ ادنیٰ کو تو یہ رتبہ
اعلیٰ ملے اور جو اعلیٰ و ارفع ہوں ان کا اس مقام میں کوئی بھی درجہ نہ ہو؟ حالانکہ قرآن کریم میں نقص موجود نہیں تو
لامحالہ منکر کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ از روئے شہادت اولیاء و شہداء متحد ہیں اور زندہ ہیں کیوں کہ کلیہ یہ ہے

کہ شہید راہ حق زندہ ہیں۔ پس شہید اب شہید دست نازیار ہو یا شہید حرب ہو سب کو شامل اور انبیاء و مرسلین و اولیاء و شہداء سب کو محیط۔ رہا کرامات اولیاء تو اس پر اس لئے روشنی ڈالنا ضروری نہیں کہ خود کلام ربانی کرامات اولیاء کا اچھوتا شاہد عادل ہے۔ جن معانی میں اشکال تھا ہم نے اسے واضح کردیا۔ پس جس ذات عز اسمہٗ نے اولیاء و شہداء کو یہ حیات دی روحانی لطافت سے مالا مال کیا اسی جل مجدہٗ نے ان خاصان حق کو تصرفات کی قدرت دی اپنا نظام ملکی ان کو سونپا اگر اب بھی کسی معاند کی رگ عناد سکون پذیر نہیں تو اسے یہ جنگ اہل اسلام سے کرنے کے بجائے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے لڑنا چاہیے کہ اس نے کیوں ان اولیاء و شہداء کو معاند کے قلب پر بجلیاں گراتے کو یہ صفات ملکوتی و لطافتیں و قدرتیں بخشی ہیں۔ کیونکہ یہ خاصان حق بذات خود قادر و متصرف تو ہیں نہیں۔

غوثیت

یہ امر مسلمہ ہے کہ جو شریعت عالم ماکان و مایکون صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے وہ ناسخ ادیان کی ناسخ۔ دین کامل اور قیام دنیا تک پائندہ رہنے والی ہے نیز ختم نبوت چونکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکا تھا اس لئے خلاق عالم نے اس نبوت کی دوسری شاخ ولایت جاری و ساری بقاء و استحکام دین کے لئے رکھی۔ (۱۴۰) ولایت کا پہلا باب ارادت ہے اور حد آخری غوثیت ہے۔ غوثیت کی بھی دو قسمیں ہیں اول غوثیت فردیت۔ دویم غوثیت قبولیت۔ غوثیت قبولیت کے بعد پھر نبوت کا ہی درجہ ہے نیز یہ مرتبہ شاذ و نادر الا ماشاء اللہ ہی حاصل ہوا کرتا ہے یہ اوراق کتاب واضح کر چکے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کو اتباع سنت ہی سے مدارج اعلیٰ و قرب عطا فرمایا گیا۔ (۱۴۱) بقول حضرت خلیفہ شاہ غلام علی صاحب کہ انہوں نے حضرت مولانا بابا سے فرمایا کہ ابھی تو لوگوں سے بھاگتے بہت ہو اس وقت کیا کرو گے جب چالیس برس کی عمر میں تمہارا ظہور خاص ہوگا اور ہر طرف سے لوگ گھیر لینگے ہی وہ وقت ہے جب شان رحمت نے آپ کو منصب غوث فردیت سے منصب غوث قبولیت چالیسویں برس میں عطا فرمایا۔

کشف و کرامات

(۱۴۱) مولانا بابا کے قیام دہلی میں مولوی شاہ غلام رسول صاحب نے بزمانہ غدر فرمایا کہ یہاں سے اب انگریزوں کا قدم اوٹھا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ذرا غور تو کیجئے کیونکہ انگریزوں کا قدم اب تو اور بھی جم گیا یہ کہہ کر آپ اپنی جائے قیام پر آگئے شاہ غلام رسول صاحب علیہ الرحمہ نے اب جو غور کیا تو مولانا بابا علیہ الرحمہ کا ہی مکاشفہ صحیح ثابت ہوا اسی وقت شاہ صاحب نے کسی کو بھیجکر مولانا بابا کو بلایا اور آپ سے کہا کہ بیشک تمہارا مکاشفہ بہت صحیح ہے پھر ایک عالم کیف میں والہانہ انداز سے شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ وہ آفتاب ہے جو مشرق سے مغرب تک چمکیگا۔

کشف جلی

ابواب آئندہ میں ہم کسی ترتیب کے قائم رکھنے سے اس لئے معذور ہیں کہ بعض ایسے کوائف بھی ہیں جس میں معانی قرآن بھی ہیں کشف بھی انہی میں ذکر کرامت بھی ہے اس لئے ہم نے بھی صرف تذکرہ پر اکتفا کی۔ (۱۴۲) چودھری نصرت علی صاحب تعلقدار سندیلہ ناقل کہ ایک مرتبہ میں نینی تال میں قیام کئے تھا کہ ایک خط حاجی واحد علی صاحب جو چودھری صاحب کے بھائی کے رشتہ دار تھے اور حضرت مولانا صاحب کے خاص معتقدین میں تھے کا مجھے ملا جس کی پیشانی پر مولانا بابا علیہ الرحمہ نے خاص اپنے

دست مبارک سے تحریر فرمایا تھا کہ۔ برخوردار نصرت علی آج کل کہاں ہیں جہاں ہوں ان کو اطلاع دو کہ وہ اپنے گھر واپس آئیں اور مقدرات آلہی و اسکی مشیت پر صابر و شاکر رہیں۔ اسکو پڑھتے ہی میرے ہوش و حواس جاتے رہے کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کے ایسے کلمات تحریر فرمانا خالی از اسرار نہیں گو بظاہر کوئی بھی بات نہ تھی لیکن میں فوراً سندیلہ روانہ ہوا جب سندیلہ پہنچا تو سب کو بخیریت پاکر اور بھی متعجب ہوا۔ ایک روز سندیلہ ٹھہر کر دوسرے روز لکھنؤ آیا یہاں بھی کوئی بات نہ تھی کہ دوسرے روز سندیلہ سے تار آیا کہ ڈاکٹر رام لال کو لے کر جلد آؤ۔ بھر رات کی ریل سے چودھری محمد عظیم صاحب نے ارادت حسین کو میرے پاس بھیجا ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ میرے منجھلے لڑکے کو بخار ہے غرضکہ میں اسی وقت مع نور چشمان سندیلہ روانہ ہوا اسٹیشن سندیلہ پر بھی جو لوگ لینے آئے ان سے بھی موافق بیان ارادت حسین معلوم کر کے اطمینان رہا مکان پہونچا تو صبح کا وقت تھا چودھری محمد عظیم صاحب و چودھری جاوید علی صاحب و حکیم صاحب وغیرہ موجود اور دوا و علاج کی دوڑ دھوپ جاری تھی لڑکے کو دیکھا تو آواز بند ہو چکی تھی میرے آواز دینے پر اس نے صرف آنکھ کھول دی برخوردار فتح علی میری گود میں تھے اس منجھلے لڑکے نے چاہا کہ فتح علی کو گود میں لے کہ سکرات کا عالم شروع ہو گیا۔ اور وہ فوت ہوا مختصر یہ کہ بعد تجہیز و تکفین جب ہم لوگ واپس آرہے تھے کیا دیکھتا ہوں کہ قیوم دوران مولانا احمد میاں صاحب علیہ الرحمہ ہاتھی پر سوار تشریف لئے آرہے ہیں بارش بھی ہونے لگی تھی جلد بڑھ کر قدم بوس ہوا تو قیوم دوران علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مولانا بابا نے مجھے حکم دیا کہ تم اسی وقت سندیلہ جاؤ نصرت علی کے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے شرکت کرو یہ سنت ہے۔ اور خدا نے اس کی مغفرت فرما دی۔ غور کیجئے اول تو مجھے بذریعہ تحریر اطلاع دی پھر مخدوم زادہ والا مقام کو روانہ فرمایا پھر اس مرحوم کی مغفرت کی خبر سے تلافی غم بھی کر دی۔"

کرامت و علوئے نسبت

(۱۴۳) واقعہ یہ ہے کہ گنج مرادآباد میں جب سے یہ قصبہ آباد ہوا کبھی رام لیلا نہیں ہوا۔ ایک بار محرم اور رام لیلا ساتھ پڑے اہل ہنود نے رام لیلا منانا چاہا مسلمانوں نے روکا اس بنا پر باہم بلوہ ہو گیا اور دادا میاں علیہ الرحمہ بھی ماخوذ ہو کر تا فیصلہ مقدمہ حوالات میں رہے۔ مقدمہ فیصل ہونے میں پورے چھ ماہ لگے تھے۔ اسی اثنا میں چودھری نصرت علی صاحب تعلقدار سندیلہ نے ایک روز مولانا بابا علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ حضرت احمد میاں صاحب کو آپ اس قدر چاہتے ہیں اور ایسا سخت مقدمہ آپ نے ان پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائی تو ہماری کمر ہمت ٹوٹ گئی کہ اگر ہم پر کچھ وقت آیا تو اس وقت بھی توجہ نہ ہوگی۔ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ دو اسباب سے ہم نے توجہ نہ کی ایک تو حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ خود ان کے واسطے دعا فرما رہے ہیں (۱۴۴) دوسرے یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یہاں تشریف لائے اور اس جگہ (اس مقام کو بتا کر) بیٹھ کر فرمایا کہ احمد (میاں صاحب) کے مقدمہ میں تم زبان نہ ہلانا جو کچھ کرنا ہے وہ ہم کریں گے تم اطمینان رکھو۔ بس ہم مطمئن ہو گئے۔

صحت کشف

(۱۴۵) ایک مرتبہ مولانا بابا سندیلہ میں تشریف فرما تھے ایک روز چودھری نصرت علی صاحب مذکور کے پاس کچھ آدمی گاکوری آئے اور بیان کیا کہ مولوی شاہ حیدر

علی صاحب قلندر سخت علیل ہو گئے ہیں فالج کا گمان ہے۔ ابھی شب میں نصرت علی صاحب نے مولانا بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر بوجہ دریافت خیریت شاہ حیدر علی صاحب قلندر کاکوروی جانے کی اجازت چاہی تو مولانا بابا نے باہستگی فرمایا کہ وہاں اب ناحق جاتے ہو ہاں تعزیت کے واسطے جاؤ تو مضائقہ نہیں۔ تم کو نہیں معلوم کہ حیدر بھائی نے کل انتقال کیا اور ہم نے بھی ان کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ کل صبح فاتحہ سویم ہے اس میں بھی شریک نہ ہو پاؤ گے مگر ہو ضرور آؤ۔ غرضیکہ چودھری صاحب وہاں پہونچے تو واقعی وقت وصال ساعت تدفین و فاتحہ وہی تھی جو آپ نے ارشاد فرمائی۔"

خصوصی فضل ربی

(۱۴۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ دس برس کی عمر سے ہم نے کبھی بغیر جماعت نماز بحمد اللہ نہیں پڑھی ایک مرتبہ ہم دہلی جارہے تھے یوں تو ہم سات مرتبہ دہلی گئے لیکن جب عصر کا وقت ہوا تو ہم تنہا تھے انتظار کسی کے آجانے کا کرتے کرتے وقت تنگ ہونے لگا بمجبوری جانماز بچھا کر چاہا کہ نماز شروع کریں کہ ایک ضعیف شخص اسباب مسافرت لئے آئے اور بعد سلام علیک نماز میں شریک ہو گئے ہم نے نماز پڑھ کر سلام پھیرا تو وہ غائب تھے۔ ہم نے خدا کی درگاہ میں بڑا شکر ادا کیا۔

کرامت و نسبت

(۱۴۷) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے دہلی جانے کے قبل دیکھا کہ ایک بہت بڑا نور ہے دریافت پر معلوم ہوا کہ چاریاروں کا نور ہے پھر آگے ایک اور میدان دیکھا وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھے اپنے پاس بلا لیا ایک شخص ہمارے رشتہ کے سید جلال الدین کی اولاد میں بہت دور کھڑے ہوئے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص تو آپ کی اولاد میں ہے اور اتنی دور۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بے ادب ہے۔ مولانا بابا نے بیان فرمایا کہ بے ادبی یہ تھی کہ وہ حضرت معاویہ کو برا کہتے تھے چنانچہ ہم نے ان صاحب سے یہ بیان کیا اسی وقت وہ تائب ہو کر میرے مرید ہو گئے (۱۴۸) پھر فرمایا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان سے کہا کہ حضرت علی اور آپ سے یہ کیا ہوا تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ بیشک مجھ سے خطا ہوئی اور مجھ کو خجالت ہے ندامت ہے۔

کشف

(۱۴۹) ۱۴ر شعبان بروز یکشنبہ احمد یکی صاحب جو داخل قصبہ گنج مرادآباد دیہہ سے پھر قدم بوسی کو حاضر آئے تو ایک اپنے محب کی جانب سے وہ تحفے بھی پیش کئے جو انہوں نے ہمراہ ارسال کئے تھے اور ان کی طرف سے سلام بھی عرض کیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں ہاں تم نے ان کے کان میں دو چار باتیں بھی تو کی تھیں۔ احمد یکی صاحب نے کہا کہ فی الواقع ہوا بھی یہی تھا قربان اس کشف کے۔

علوئے مرتبت

(۱۵۰) پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جب ہم لکھنؤ میں تھے جس کو کم سے کم ستر برس ہوئے (یعنی آپ کا عہد طفلی تھا) تو وہاں بہت سے مجذوب تھے وہیں ایک بہت بڑے مجذوب بانسبت بھی تھے ہم ان کے پاس گئے اور ان سے کچھ باتیں کرکے کہا کہ تم نماز نہیں پڑھتے خدا کی

قدرت انہوں نے ہماری اقتدا کی تو لوگ بہت حیران ہوئے کہ یہ مجذوب تو کسی کو مانتے ہی نہ تھے پھر کیا تھا ان کے معتقدین بھی ہمارے مرید ہو گئے ہم نے ان کو بھی ہدایت کی کہ جس کو نیک بخت جانو اس کے پیچھے اقتدا کر لیا کرو۔ تفصیل کے لئے دیکھو روایت ۹۹۔ ہندی فتح پوری نے اسی کہا ہے ؎

فارغ التحصیل یاں آکر تھے بنتے مبتدی ٭ ہر امام وقت تھا ان سے ٹھہیرے پر مقتدی

کشف

(۱۰۵۱) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ذرا دیکھو تو وہ شخص ولایتی تو نہیں آ رہے ہیں۔ دیکھا گیا تو کوئی آتا نہ دکھائی دیا نہ نو وارد ملا۔ شام سے پہلے دوسرے روز دو شخص ساکنان غزنی بغرض بیعت فائز خدمت ہوئے۔ غور کیجئے کہاں غزنی کہاں مراد آباد۔

کرامت

(۱۰۵۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ کسی نے ہم پر بھی جادو کیا تھا لیکن ہمیں معلوم ہو گیا پھر جس نے جادو کیا تھا خود اقرار بھی کر لیا۔ مگر ہمیں ذرا بھی کچھ نہ ہوا۔ خود اس شخص نے توبہ کی اور مرید ہوا۔ (۱۰۵۳) پھر ارشاد فرمایا کہ خدا کی قدرت جب رمضان آتے تو ہم سے ملتے اور جب جاتے تو ہم سے مل کر جاتے اسی طرح شب قدر بھی ہم سے خود مل جاتی یہ خدا کی دین ہے میں نے ایک دو بار حضرت مرشد سے کہا بھی تو فرمایا کہ ہم سے بھی رمضان مل گئے۔

علوئے مدارج

(۱۰۵۴) مولانا بابا علیہ الرحمہ ایک مرتبہ صحن مسجد کے چبوترے پر تشریف فرما تھے کہ ایک عرب صاحب وارد ہوئے بس از سلام و دعا ان عرب نے بڑی ہی مسرت سے کہا اھلاً یا شیخ کنت عن یمینی عام الحج فی الحرم زہے قسمت آپ ہی تو وہ ہیں جو ایام حج میں حرم شریف میں میرے داہنے پر تھے تو جلدی سے مولانا بابا نے فرمایا شاید بھول لیتے ہو یہ بتاؤ کس کام کو آئے ہو عرب صاحب نے مقصد کہا تو آپ نے قلمدان طلب کر کے تحریر فرمایا کہ۔۔ میاں کلب علی از فضل رحمن سلام علیک۔ این عرب فرستادہ می آید بحاجت برسانند احسان بر ماست۔ فضل رحمٰن۔ یہ لو شقہ دیکر نواب کلب علی خاں صاحب والی رامپور کے پاس جانے کا حکم دیا۔ اور سواری کا بھی بندوبست کر دیا (۱۰۵۵) اسی ضمن میں پھر ارشاد فرمایا کہ ایک شخص بڑے فاضل ہمارے مرید تھے وہ حج کو گئے وہاں سے آکر لوگوں سے کہنے لگے کہ ہم نے مولوی فضل رحمٰن صاحب کو عرفات میں حرم میں اور کہاں کہاں دیکھا ہم نے سنا تو ان سے کہلایا کہ خبردار ایسی باتیں نہیں کیا کرتے لیکن انہوں نے نہ مانا سب سے کہدیا۔ ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ (۱۰۵۶) مدنی شاہ صاحب جو محتاج تعارف نہیں نے خانہ کعبہ میں مولانا بابا کو نماز پڑھتے دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں انہوں نے لاعلمی ظاہر کی بہر حال اسی طرح مدنی شاہ نے متواتر بار مولانا بابا کو حرم شریف میں دیکھا خود کوشش کی کہ کسی طرح بذاتہ ملاقات کریں مگر بعد اختتام نماز لوگ منتشر ہونے لگتے تو مدنی شاہ کی نظروں سے آپ اوجھل ہو جاتے۔ ایک دن حرم شریف میں کسی نے مدنی شاہ سے کہا کہ اگر تم کو ان مولوی صاحب سے ملنا ہے تو گنج مراد آباد جاؤ۔ مدنی شاہ اسی وقت کیف جستجو میں گنج مراد آباد روانہ ہو گئے منزل بہ منزل سفر کرتے بالآخر مراد آباد آئے سامنا ہوتے

ہی مدنی شاہ پر ایک بے خودی چھاگئی جلدی سے قدم بوس ہو کر آرزوئے بیعت ظاہر کی تو مولانا بابا نے بیعت فرما کر حکم دیا کہ بارہ برس تک فلاں مقام پر جا کر ریاضت کرو۔ بارہ برس بعد مدنی شاہ واپس آئے پھر آپ کے وصال کے بعد عرس شریف میں وہ چائے کا لنگر تاحیات کرتے رہے۔ (۱۵۷) مولانا بابا نے فرمایا کہ بہت دن ہوئے کہ ہمارے جی میں آیا کہ ہم بھی مکہ معظمہ جاتے گو ہمارے معتقد بڑے بڑے لوگ بھی تھے جو ہم چاہتے وہ ہو جاتا لیکن ایسا پیسہ سے کہ خرچ کو بہانا حرام ہے گو ہماری ماں دہیوی بچے تھے ایک دن سوچا کہ ان سب کو اللہ پر چھوڑ کر حج کو جائیں۔ لیکن ہماری والدہ نے جو سنا تو کہا کہ بیٹا ہم کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے خیر ہم رک گئے خدا کی قدرت ایک رات کعبہ شریف (حقیقت کعبہ) ہمارے پاس آیا۔ لو زیارت ہو گئی ہم کو

خدا کے مصطفےٰ کے چار یاروں کے پیارے ہیں ؎ ولایت اسلئے ہے مصطفائی وفضل حق کی

علم لدنی

(۱۵۸) جلسۂ نیم شب میں دو شخص بھوپال کے تیسرے احمد مکی حاضر تھے مختلف مسائل اور اذکار سے وجد طاری تھا کہ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ تم مُردوں سے پڑھتے ہو اور میں زندہ سے پڑھتا ہوں پھر خود وضاحت کی کہ تم ان سے پڑھتے ہو جن کو مرنا ہے اور میرا علم خدا کی جانب سے ہے اس روایت کے بعد کسی تلاش کی ضرورت نہیں رہتی حق ہے کہ اس صورت میں جو بھی ہو وہ کم ہے عطائے الٰہی نوازش ربانی میں کسی کو کیا دخل۔

کرامت

(۱۵۹) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ کچھ علماء آپس میں بحث کر رہے تھے وہاں میرے ایک مرید بھی تھے اس مرید نے ان علماء کو اس بحث کا حل سمجھا دیا تو ان علماء نے کتابوں میں دیکھا بات وہی نکلی جو اس مرید نے کہی تھی اب تو ان کو اور بھی تعجب ہوا پھر ان لوگوں نے خود ہی اس مرید سے پوچھا کہ تم کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی مرید نے میرا نام لے کر کہا کہ مجھے جو وہ بتا گئے وہ میں نے تم سے کہدیا۔ چنانچہ وہ علماء پھر یہاں آئے اور ہم سے مرید ہوئے۔

کشف

(۱۶۰) ماہ جمادی الاول تھا کہ اچانک مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کل کوئی بھوپال تو جانے والا نہیں۔ احمد مکی نے عرض کیا کہ کل تو کوئی جانے والا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص کی بیوی ابھی تک اچھی نہیں ہوئی۔ مکی صاحب نے عرض کیا کہ حضور دعا فرما دیں تو تندرستی کیا بعید ہے کیوں کہ ان کے بچہ ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ ولادت تو ہو گئی مگر بیٹھ کے خلل کو کیا کریں۔ دوسرے روز ڈاک سے یہ اطلاع ملی کہ ان بی بی کے ۲ ماہ جمادی الاول بچہ پیدا ہوا۔ بعد ولادت وہ تیسرے روز مرض نفاس میں انتقال کر گئیں۔

کرامت

(۱۶۱) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے تو دوزخ سرد ہو جائے پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے فرمایا کہ ایک مرتبہ یہاں بہت سخت آگ لگی ہماری والدہ بھی زندہ تھیں تمام بستی والے بھاگ گئے مگر ہم کہیں نہ گئے لوگوں نے متعجب ہو کر اصرار بھی کیا مگر ہم نے دعا کی پانی برسا اور سب

آگ بجھ گئی صبح کو لوگ آکر ہمارے مرید ہو گئے، اہل بستی کا بیان ہے کہ اس شدت آگ لگی تھی کہ مسلسل چوبیس گھنٹہ رہی اور زمین کا گڑا ہوا روپیہ اس بقال کے وہاں سے پگھل کر بہہ نکلا۔ یہ خدا کی قدرت تھی کہ آگ کی چنگاریاں آپ کے چھپر پر گرتی تھیں مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ پھر فرمایا کہ کیا مجال جو جل جاتا آخر ہم ان کا نام لیتے ہیں اتنا بھی اثر نہ ہو۔

کرامت

(۱۶۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم چھوٹے تھے ایک بار اپنی برادری میں گئے ان لوگوں کا چھوٹا سا چھپر تھا اسی میں سب رہتے ہم نے کہا کہ ہمارے لئے ایک چھپر اور ڈال دو وہ لوگ چھپر کے لئے لکڑی لائے اتفاقاً ایک لکڑی (زبڑیری) چھوٹی پڑی۔ ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے بھی جب ایک مکان کی لکڑی چھوٹی پڑی تو اس سے فرمایا کہ بڑھ جا وہ بڑھ گئی ہم بھی تو ان کی اولاد میں ہیں بسم اللہ کہہ کر تم اسے بھی رکھ دو۔ اب ان لوگوں نے لکڑی جو رکھی تو وہ پوری بیٹھی سب لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کیسی باتیں کرتے ہیں پھر وہ سب ہمارے مرید ہوئے گو عمر میں بہت بڑے تھے۔

(۱۶۳) ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک ہندو شخص سب حکیموں کی دوا کر کے عاجز آگیا تھا مگر اس کے گھر میں اولاد نہ ہوتی تھی خدا کی قدرت کہ ہم نے بھی اس پر کچھ دم کر دیا تو اس کے اولاد ہوئی اور وہ سب گھر یہاں آکر مسلمان ہوئے اور مرید ہو گئے۔ احمد بکی صاحب ناقل کہ یہ شخص لکھنؤ کے معززین سے کلکٹری میں حاکم تھے پھر بھوپال میں محکمۂ بندوبست میں رہے آخر عمر میں سعادت حج سے مشرف ہوئے بعد واپسی حج بھوپال ہی میں انتقال کیا

(۱۶۴) پھر مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک عورت کو حیض نہ آتا تھا وہ ہمارے پاس آئیں اور مرید ہوئیں۔ ہم نے ان سے کہا جاؤ خدا چاہیگا تو حیض آئیگا۔ ان کے ساتھ جو عورت تھی اس نے کہا کہ ایسے ہی ان کی ہتھیلی میں رکھا ہے۔ ہم خاموش رہے۔ گیارھویں مہینہ اس آئسہ کے لڑکا ہوا تو وہ منکرہ عورت آکر ہماری مرید ہوئی پھر احمد بکی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس ولی کو جس نبی سے نسبت ہوتی ہے اس سے ویسی ہی باتیں (کرامتیں) صادر ہوتی ہیں۔

کشف و کرامت

(۱۶۵) مرزا محمد علی بیگ ناقل کہ ایک مرتبہ میں مع کچھ دیگر پیر بھائیوں کے براہ بلہور آرہے تھے گنگا ندی پار کر کے جب چلے تو دیکھا کہ ایک خوشرو سادھو گیروا کرتہ گیروی تہبند پہنے سونے کی کھڑاؤں پاؤں میں سونے کا کمنڈل ہاتھ میں لئے جس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں تھیں ہم لوگوں کے پاس سے گذرا اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ لوگ مرادآباد ہی جا رہے ہیں نہ۔ مرزا جی نے کہا کہ جی ہاں۔ سادھو نے کہا کہ ایک پیام ہے مولانا بابا سے عرض کر دو گے؟ بھول تو نہ جاؤ گے۔ سب نے کہا کہ ہم کئی آدمی ہیں اگر ایک بھولا تو اور نہ بھولینگے۔ سادھو نے کہا کہ مولانا بابا سے ہمارا سلام کہدینا۔ یہ کہکر وہ آگے بڑھے مگر پھر آواز دیکر کہا کہ دیکھو بھول مت جانا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ یہ بھول جانے والی بات ہی کب ہے۔ راستہ میں کچھ دیر ان سادھو صفت پر قیاس آرائیاں رہیں کسی نے کہا دہ تھے حتیٰ کہ مرادآباد شریف داخلہ ہوا۔ وقت عصر تھا نماز

کی طیاری بعجلت کی۔ بعد ادائے فریضہ فائز خدمت ہونے والے تھے کہ خود ہی طلبی ہوگئی مگر یہ سلام کہنا اس وقت سب ہی بھول گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو دوسروں کا پیام کہنا بھول جاتے ہیں مخاطب مرزا جی کو خطرہ گذرا اور معذرت خواہ ہوتے ہوئے عرض کیا کہ ایک سادھو اس وضع کے اثناء راہ میں ملے انہوں نے سلام کہلایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہی تو ہم پوچھ رہے تھے تم لوگ بھول گئے حتیٰ کہ وہ خود ہمارے پاس آکر شاکی ہوئے۔ مرزا جی اور ان کے ساتھیوں کو خلش ہوئی کہ یہ نہ کھلا کہ یہ کون تھے کہ خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نہیں مانتے تو سن لو مگر کسی سے کہنا مت وہ گوکل کنھیا تھے ہم سے ایک بات کی اجازت چاہے تھے۔

کرامت

(۱۰۶۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک ہمارا مرید کہیں لڑائی میں تھا بہت سے لوگ مارے گئے ایک شخص اس کی طرف بھی بڑھا تو اس شخص نے دیکھا کہ میں اس کے مخالف کے سامنے کھڑا ہوں وہ مخالف فوراً ہٹ گیا۔ پھر اس مرید نے یہاں آکر ہم سے خود یہ واقعہ بیان کیا۔ (۱۶۷) پھر فرمایا کہ میرا ایک مرید کسی میلہ میں گیا میں نے گو اسے ہر چند منع بھی کیا مگر اس نے نہ مانا۔ پھر اس نے آکر بیان کیا کہ ایک جگہ کچھ بیل بگڑے ایک بیل نے چاہا کہ مرید کو مارے وہیں پر میں نے آپ (مولانا بابا) کو دیکھا کہ اس بیل کو آپ نے حملہ سے روک دیا۔

قوت مکاشفہ

(۱۰۶۸) بین العشائین مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا و ذکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرمارہے تھے کہ حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ نے دفعتاً فرمایا کہ آپ کے فلاں مرید کا انتقال ہوگیا۔ تو مولانا بابا نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر فرمایا کہ سمجھتا تھا کہ فلاں مرید کا انتقال ہوگیا اسی سے کل دن بھر میری طبیعت مکدر رہی۔ بعض حاضرین نے عرض کیا کہ بحمد اللہ آپ کو و نیز صاحبزادے صاحب کو پہلے ہی سے منکشوف ہوگیا تو احمد مکی صاحب نے یہ آیت پڑھی لَا یُطْلِعُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی الخ (خدا جس کو چاہتا ہے غیب پر مطلع کر دیتا ہے) تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ (بندۂ مؤمن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ نور الٰہی سے مشاہدہ کرتا ہے) اس پر احمد مکی نے عرض کیا کہ مَا کَانَ مُعْجِزَۃً لِّلنَّبِیِّ کَانَ کَرَامَۃً لِّلْوَلِیِّ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں نبی سے جو صادر ہو وہ معجزہ کہلاتا ہے اور ولی سے جو صادر ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔

وجاہت علمی

(۱۷۹) مولانا بابا کی یہ خداداد قابلیت و وجاہت علمی تھی کہ بسا اوقات آپ صرف آیات واحادیث میں ہی گفتگو فرماتے ابواب ماسبق میں یہ ثابت ہو چکا کہ آپ کی ذات پیدائشی قطب ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں علم ظاہری و باطنی میں فوقیت آپ کا ممتاز حصہ ہے کہ مرشد علیہ الرحمہ نے بھی افادہ خلق اللہ کی اجازت دیدی۔ آپ کے کمالات امتیازات عالی بنسبتی پر عقل انسانی انگشت بدنداں ہے (۱۸۰) قادر مطلق کو چوں کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ سے کام ہی دوسرا لینا تھا اس لئے۔ ذہن رسا۔ قوت حفظ۔ جودت فکر۔ وقت نظر فطری طور پر آپ کو حاصل تھیں جس کو اتباع سنت کی صیقل نے اور بھی پُرنور بنا دیا۔ (۱۸۱) مختصر الفاظ میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اقطاب وقت

ہیں آپ کی واحد ذات ایسی تھی جو ایک کمسن قطب الارشاد بن کر عالم آشکار ہوئی۔ (۱۰۸۲) ان اولیائے کرام میں جنہوں نے خلق اللہ کی بیسی رہنمائی کی آپ نے اتباع سنت کا سرا پا بن کر اہل دل کی ایک طرف طریقت کی رہنمائی سے صدہا کامل بنائے تو شریعت کا بھی دوسری طرف شمع رسالت کی روشنی میں وہ درس مخلوق کو دیا جس کی صوفیائے طریقت میں حد نظیر آپ ہیں۔ اور علمائے وقت کو صحیح معنوں میں علمائے عصر بنا دیا۔ (۱۰۸۳) آپ کی مقبولیت بارگاہ ایزدی بنسبت مصطفائی۔ ولایت احسانی دیگر اولیائے کرام کے لئے قابل غبطہ تھیں اور اس بر اعظم میں درس وحدانیت اور تعلیم مصطفوی کا جو اچھوتا نمونہ آپ نے کردار۔ گفتار۔ رفتار سے پیش کیا اس سے کٹر سے کٹر ہٹ دھرم بھی انکار نہیں کر سکتا نہ دنیائے اسلام آپ کی اس امتیازی خدمات ملی و دنیاوی کو فراموش ہی کر سکتی ہے۔

نواں باب

نقادان فن کی عقیدت کیشی

سطور ذیل اس حقیقت کو خود بے نقاب کر رہی ہیں کہ کیوں نقادان فن و ائمہ وقت بڑے ہی افتخار سے حضرت مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ کے پروانے والہانہ عقیدت سے بنتے تھے۔ جو دراصل قبولیت عامہ خلاق عالم نے آپ کو ایسی امتیازانہ عطا فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل حضرات بھی کشاں کشاں اس غرض قبولیت حضرت مولانا گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی طرف کھچے چلے آتے جہاں بوریہ بدہنا اور اتباع سنت کے سوا دوسرا متاع حیات ہی نہ تھا جس کے علما و صوفیا و حکام اعلا سلاطین گوشہ چین رہے۔ اسے خود مولانا بابا کی زبان مبارک سے سنئے۔

سر سید احمد خاں

(۱۰۸۴) چودھری نصرت علی صاحب تعلقدار سندیلہ کا علی گڈھ جانا ہوا تو وہ سر سید احمد خاں صاحب مرحوم سے بھی ملے تو سید صاحب بڑے اخلاق سے پیش آئے دیگر باتوں کے بعد چودھری صاحب نے پوچھا کہ موجودہ دور میں جناب کسی بزرگ با خدا کے بھی قائل ہیں جواباً سید صاحب نے کہا کہ میں آج کل کے رنگے سیاروں کا قائل نہیں ہاں مولانا شاہ فضل رحمن صاحب قبلہ گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کا دل سے قائل ضرور ہوں وہ بھی اس طرح پر جب کہ میرے مرشد حضرت شاہ غلام علی صاحب نقش بندی دہلوی علیہ الرحمہ نے تین مرتبہ تواتر سے عالم رویا میں مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی اصلاح مولانا شاہ فضل رحمن صاحب علیہ الرحمہ سے کرلو اور ان کی جانب رجوع ہو جاؤ۔ پس دو مرتبہ تو میں نے اسے خواب و خیال سمجھ کر ٹالا لیکن تیسری بار جب پھر یہی ارشاد مرشد سنا تو میں نے اپنے میر منشی کو مع تحایف مثل صابون و حقہ و تمباکو وغیرہ روانہ کیا اور ساتھ ہی عرضی بھی پیش خدمت کی منشی کے پہنچتے ہی تحائف قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں ہم سے بھی شاہ غلام علی شاہ صاحب نے سفارش کی ہے تم جاؤ اور ان سے (سر سید احمد) کہہ دینا کہ آنے کی ضرورت نہیں ہم اُن کے لئے دعا کر رہے ہیں جس کام کو شروع (سلسلۂ یونیورسٹی) کیا ہے خلوص کے ساتھ انجام دیئے جاؤ۔ یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ مولانا بابا کی دعاؤں ہی کی مرہون کرم ہے۔

ملکہ وکٹوریہ

(۱۰۸۵) بوقت درس قرآن شریف جب آیت نصاریٰ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ

.... آنے آئی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو عزت دی۔ احمد تکی نے عرض کیا درست ارشاد ہے اور اب تو لندن میں مسجدیں بھی بن گئی ہیں تو مولانا بابا نے یہ سن کر بکمال خوشنودی مسکراکر فرمایا کہ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہاں مسجدیں کیسے بنی ہیں تکی صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو معلوم نہیں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریہ نے اپنے کسی قریبی رشتہ کے شخص کو (بھتیجہ یا بھانجا کچھ ایسا فرمایا) میرے پاس بھیجا وہ یہاں آئے اور راہونوں کے پاس سے پیدل ہو گئے پھر اس نے ہم سے مل کر کہا کہ ملکہ کے اولاد نہیں ہوتی ہم نے کہا اچھا ہم دعا کرتے ہیں تو یہ بتاشے انہیں کھلا دینا لیکن تمہارے وہاں جو مسلمان ہوں ان کو اذان کہنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دو۔ اس پر ملکہ نے کئی مسجدیں بنوادیں کبھی کبھی ملکہ ہمارے لئے عمدہ تحائف روانہ کرتی رہتی ہیں ایک مرتبہ ملکہ نے ہمارے لئے اصلی مومیائی بھیجی نہ جانے کہاں سے حاصل کر کے بھیجی تھی۔ خدا نے ایسا کیا کہ ملکہ کے گیارہویں مہینہ اولاد ہوئی۔

لفٹنٹ گورنر

(۱۸۶) سر جان کراستھویٹ صاحب لفٹنٹ گورنر ۱۸۹۲ء میں مع ڈھائی تین سو ۳ عمائدین حکام انگریزی کے حاضر درگاہ عالیہ ہوئے بوقت ملاقات گورنر صاحب نے عرض کیا کہ حضور عالی کے وہاں دو ڈھائی سو زائرین کا مجمع رہا کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ دو ایک گاؤں اس کے خرچ کے لئے گورنمنٹ سے منظوری لے کر دیدوں تاکہ زائرین کے بارے حضور کو سبکدوشی ہو۔ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو بفضلہ اس کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری اور ہم سے محبت رکھنے والوں کی کفالت کا خود ہم سے وعدہ فرما لیا ہے۔ لاٹ صاحب نے ضعف بصارت کا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ بحمد اللہ ہم اب بھی چودھویں چاندرات کی روشنی میں خط پڑھ سکتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ دیکھو کسی پر ظلم نہ کرنا اس سے سلطنتیں تباہ ہو گئی ہیں۔ لاٹ صاحب نے اپنی میم صاحبہ کی خواہش پر صاحب اولاد ہونے کی دعا چاہی تو آپ نے دعا دیکر رخصت فرما دیا۔ اس روایت کو بعض لوگوں نے توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے۔ (۱۸۷) کہ آپ نے گورنر کی میم سے ایک اونڈھے گھڑے کے طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کون نہیں جانتا کہ فاتر العقل بھی ایسا کہہ نہیں سکتا۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ اس وقت چارپائی پر رونق افروز تھے بانس کی بنی ہوئی پیڑھی جسے مونڈھا کہہ سکتے ہیں اس پر گورنر صاحب اور کھجور کی چٹائی پر بقیہ ان کے ساتھی بیٹھے تھے جس کے چشم دید شاہد آج بھی موجود ہیں۔ یہ ایسی ذہنی بدہضمی ہے جس کا علاج نہیں۔

سر لاٹوش صاحب

(۱۸۸) لفٹنٹ گورنر مذکور نے اپنے پرائیوٹ سکریٹری سر لاٹوس صاحب کو اپنے کیمپ سے بدریافت خیریت مزاج مولانا بابا علیہ الرحمہ روانہ کیا۔ لاٹوس صاحب نے چلتے وقت دل میں سوچا کہ مولانا بابا سے کوئی چیز تحفۃً مل جاتی تو کیا اچھا ہوتا جب وہ فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تم بھی نولاٹ (لارڈ) ہو۔ لاٹوس صاحب کو سخت حیرت ہوئی کہ میں تو ابھی پرائیوٹ سکریٹری ہوں اتنے میں آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ سب قدرت ہے۔ پھر دو قلمی آم جس کی اسوقت کہیں فصل نہ تھی لاٹوس صاحب کو دے کر رخصت فرمایا۔ چنانچہ سر جان کراستھویٹ صاحب کے بعد ہی سر لاٹوس صاحب گورنر یوپی ہوئے۔ گورنر ہو کر لاٹوس صاحب نے جس خلوص بے پایاں سے عقیدت

کیشی کے پھول نچھاور کئے ان کا پوچھنا ہی کیا۔ (۱۸۹) اس کے بعد سے دادا میاں صاحب کے وقت تک گورنران الیسراے ہند جو اپنے گل ہائے عقیدت نثار کرتے رہے۔ بالخصوص سرہارکورٹ بٹلر صاحب جو دادا میاں کے عہد میں تھے عقیدت کا سراپا جامہ تھے (۱۹۰) یہ سلسلہ دادا میاں صاحب کے بعد والدین صاحبان سے تا قیام حکومت جاری رہا جس میں سر مالکم ہیلی صاحب والد صاحب کے دور میں ممتاز رہے ۱۸۹۲ء سے ۱۹۴۶ء تک کمشنر و ڈپٹی کمشنران یوروپین کی عقیدت کیشی کی فہرست بہت طولانی ہے۔

مولوی احمد حسن کانپوری

(۱۹۱) ایک بار مولانا عبدالغنی صاحب قائم گنجی اور مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری بہ معیت مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری آستانہ عالیہ پہنچے۔ پہنچتے پہنچتے شب ہو گئی۔ تو عبدالغنی صاحب و احمد حسن صاحب ایک دوکان میں ٹھہر گئے اور مونگیری صاحب خانقاہ فضل رحمانی آ گئے حبیب سید صاحب فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے از روئے مکاشفہ فرمایا کہ تمہارے دونو ساتھی کہاں رہ گئے غرض وہ دونوں بھی بلائے گئے تو مولانا بابا نے مولوی احمد حسن صاحب کانپوری سے فرمایا کہ ابھی ابھی شاہ امداد اللہ صاحب مجھ سے توجہ کر گئے ہیں۔ گو یہ بظاہر غیب دانی کے مشابہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اولیاء کے دل ایسے منور ہوتے ہیں کہ اس کے ذریعہ جدھر التفات کرتے ہیں سب کھل جاتا ہے اور بعض کا تو یہ حال ہے کہ عرش سے فرش تک سب کھل جاتا ہے کنت سمعہ و بصرہ اسی سے عبارت ہے بقول مولانا رومیؒ

علم حق در علم صوفی گم شود ؎ ایں سخن کے باور مردم بود

حاجی شاہ وارث علی صاحبؒ

(۱۹۲) حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ سے ملاقات کو حاجی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ ۲ دو مرتبہ گنج مرادآباد ڈسٹرکٹ تشریف لائے اول مرتبہ آئے تو بارہ بجے کے بعد۔ دوسرے بار حاجی صاحب علیہ الرحمہ جب آئے تو عصر و مغرب کے درمیان ظاہری سلام علیک کے بعد مولانا بابا اور حاجی صاحب حجرہ میں چلے گئے کافی دیر خلوت رہی۔ وہاں کے معاملات کا کسی کو علم نہیں۔ اگر حاجی صاحب نے خود کسی سے فرمایا ہو تو ممکن ہے ورنہ مولانا بابا نے تو کسی سے اظہار نہ فرمایا۔ ہمیں ان باتوں کا حاجی صاحب کا بیان کرنا بھی تصدیق نہیں ہوا۔

دیوہ شریف کی سجادگی

(۱۹۳) حاجی شاہ وارث علی صاحب علیہ الرحمہ مولانا بابا کو چچا کہتے (۱۹۴) حاجی صاحب مرحوم کے سجادہ سید شاہ محمد ابراہیم صاحب مرحوم ہمارے دادا میاں صاحب کو ماموں کہتے تھے۔ وجہ قرابت ظاہر ہے۔ ان کے انتقال کے بعد کلن میاں صاحب کو دادا میاں علیہ الرحمہ نے خود دیوہ تشریف لے جا کر سجادہ کیا۔

شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا مشاہدہ

(۱۹۴) مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی ناقل کہ میں بہ معیت مولوی فتح محمد صاحب نائب مفسر وغیرہ ۱۳۰۲ھ میں حاضر گنج مرادآباد ہوا۔ اثنائے راہ میں مولوی فتح محمد صاحب

سے میں (پھلواروی صاحب) نے کہا کہ اگر مولانا بابا صاحب پوچھیں گے کہ کدھر آئے ہو تو میں ضمارہ قلندر آلخ عرض کروں گا۔ جب مع ہمراہیاں حاضری ہوئی تو درس بخاری شریف ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں مجھے حکم ہوا کہ تم اب پڑھو۔ چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا بابا کی توجہات و فیوض سے ہمارے (پھلواروی صاحب) اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے اور میں (پھلواروی صاحب) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں۔ آپ جسے چاہتے اسے یہ شرف یونہی حاصل ہوا کرتا۔ پڑھ کر چلنے لگا تو پھر مجھ سے بالخصوص مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ بات تو باقی رہی جاتی ہے ۔

ضمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی ۔ کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی ۔

اگر آپ صرف اسی روایت پر اکتفا کریں جس کا اجمال ۹۳ میں گذرا تو خود بخود اماموں کے بھی آپ کے مقتدی بننے کی وجہ واضح ہو جاتی ہے یہ قوت مکاشفہ ۔ یہ قرب ۔ یہ نسبت عالیہ اپنی واحد نظیر آپ ہیں ۔ مولانا بابا کی یہ فضیلت مخصوصہ ہم آپ جیسے لوگوں کا مشاہدہ بھی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے ناقدین شریعت اور ماہرین طریقت کا اعتراف حقیقت ہے ۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی ان بزرگوں نے فرما دیا کہ چار سو برس کے دور میں مولانا بابا جیسی ہستی پیدا نہیں ہوئی ۔ ابراہیم ہندی فردوسی ہند فتح پوری نے اسی کو لکھا ہے ۔

اولیا اللہ کا ہوتا تھا یاں دربار عام ۔ کچھ کلہ داروں کی ہوتی تھی یہاں ترکی تمام

حاجی صاحب قبلہ کا بیان

(۱۹۵) حاجی شاہ وارث علی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے ایک شاہ صاحب مرید خاص گیا میں سکونت پذیر تھے انہوں نے بیان کیا کہ حاجی صاحب رح نے ارشاد فرمایا کہ "مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر پوچھے مرید نہ کیا کرتے تھے اور یہ آپ کا واحد کمال تھا کہ جسے چاہتے اس مرید کا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دیا کرتے تھے" غور کیجئے کہ جب یہ امتیازی نسبت و فوقیت آپکو حاصل ہے تو پھر اقطاب دہر کا رجوع و کسب فیض اور بھی یقینی ہو جاتا ہے ۔ روایت ۹۴ میں اس کا اجمال گذر چکا ۔ (۱۹۶) ثقہ مریدین نے نقل کیا کہ مولانا بابا علیہ الرحمہ کا صرف اس سے اندازہ کر لو کہ آپ کو کسی حدیث یا کسی امر میں جب شبہ ہوتا تو آپ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے خود صحت کر لیتے سچ ہے ۔

نبی سے اس قدر مخصوص یہ تھے قرب نسبت میں ۔ کیا کرتا تھا خاطر فضل رحمٰن فضل رحمٰن کی

بحر العلوم فرنگی محلی

(۱۹۷) ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی عبد الحی رح فرنگی محلی میرے پاس آئے اور مرید ہوئے ۔ ہم نے ان سے ایک مسئلہ کہا تو وہ مان گئے بڑے منصف تھے ۔ ہوا یہ کہ مولانا نے ان سے کہا کہ تم خود ہی بڑے فقیہ ہو اور محشی ہدایہ ہو پھر تم نے راستہ میں نماز قصر کیوں ادا نہ کی ۔ مولوی صاحب کو آپ کے اس کشف پر تعجب ہوا کہ وہاں تو میرے اور خدا کے سوا کوئی نہ تھا ۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ پہلے میں لکھنؤ سے سندیلہ تک کا ارادہ کر کے چلا پھر سندیلہ سے آپ کی زیارت کا قصد کیا اگر علحدہ علحدہ دونو سفر دیکھے جائیں تو قابل قصر نہیں تو مولانا بابا نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہارا اٹم تو ابھی

[..]زہ ہے مجھے تو ستر بہتر برس پڑھے ہوئے گذرے مگر بحمداللہ مجھے اب بھی یاد ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو [..]عر اگر جوڑنے سے قابل قصر ہوں تو قصر ہی پڑھنا چاہیئے۔ مولوی صاحب موصوف نے خود بیان کیا کہ میں نے کتابوں [..]یں جو دیکھا تو مفتیٰ بہ طریقہ وہی نکلا جو حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا۔ (۱۹۸) احمد مکی نے عرض کیا کہ میں نے بخاری [..]شریف کے بارہ پارے مولوی عبدالقیوم صاحب خلف مولوی عبدالحیٔ صاحب سے بھی پڑھے ہیں تو مولانا بابا نے [..]رمایا کہ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے اپنی بیوی کو بھی ہم سے مرید کرایا ہے۔

مولوی نصیرالدین صاحب

(۱۹۹) اسی ضمن میں مولانا بابا نے فرمایا کہ مولوی شاہ محمد اسحٰق صاحب کے داماد مولوی نصیرالدین صاحب دہلوی اور ان کی اہلیہ (دختر کلاں مولوی محمد اسحٰق صاحب) ہر دو ہمارے مرید ہوئے پھر ارشاد کیا یہ تو خدا کی دین ہے۔ اس پر احمد مکی نے آیت وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ پڑھی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یُوتیہ بغیر ہمزہ اور یُؤتِیہِ ہمزہ کے ساتھ دونوں پڑھ سکتا ہے۔ (۲۰۰) ارشاد فرمایا کہ جب ہم بیضاوی وغیرہ پڑھتے تھے تو بحمداللہ ہمیں سب معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر فرمایا کہ مولوی نصیرالدین صاحب دہلوی نے ہم سے بعد بیعت توجہ بھی لی ہے۔ مولوی امداداللہ شاہ صاحب کا تعلق انہیں موصوف مولوی نصیرالدین صاحب سے تھا۔

فضیلت محدث دہلوی

(۲۰۱) بعد درس قرآن شریف مولانا بابا علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی برکت تھی کہ جو کوئی ان سے پڑھ لیتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی

(۲۰۲) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی مجھ سے پڑھا اور ان کے باپ و بھائی نے بھی مجھ سے پڑھا ہے۔

شاہ غلام علی صاحب

(۲۰۳) پھر ارشاد فرمایا کہ جب شاہ غلام علی صاحب کا انتقال ہوا تو میں اگرچہ وہاں موجود نہ تھا لیکن مجھے اس کا علم تھا۔ جب میں دہلی گیا تو جس جگہ شاہ صاحب دفن تھے وہ زمین دوسرے کی تھی۔ میں نے ان سے کہا تو انہوں نے وہ زمین ہی بخشش دی۔ [..]بس پھر کیا تھا۔" روایت پر غور کیجئے یہ واقعہ پندرہ برس کی عمر کے اندر کا ہے ملکیت غیر میں دفن ہونا۔ انوار آگہی کا [..]مسدود رہنا۔ پھر آپ کے فرماتے ہی ایک غیر معروف شخص کا تعمیل حکم کرتے ہوئے زمین کا بخشنا۔ جو رکاوٹیں [..]تھیں ختم ہو کر بارش انوار ہونا۔ روایت ایک طرف اگر واضح کرتی ہے تو دوسری طرف مولانا بابا کی رفعت وعلوئے [..]رتبت کے جواہر بھی بکھیر رہی ہے۔

مولوی احمد حسن صاحب

(۲۰۴) مولانا بابا کی خدمت میں مولانا احمد حسن صاحب سہارنپوری حاضر ہوئے۔ یہاں تو ماہران فن کی جانچ پھر ان پر صیقل ہوا ہی کرتی تھی

کہ مولوی صاحب نے بخاری شریف پیش کی۔ مولانا بابا کی فضیلت علمی و کرامت دیکھئے کہ آپ نے بخاری شریف ہاتھ میں لے کر ورق گردانی شروع کی اور اس کی غلطیاں بیان کرنے چلے گئے مولوی صاحب دنگ رہ گئے اور بعد میں بیہونچ کر وہ غلط نامہ مرتب کر کے طبع کرا دیا آج بھی اس غلط نامہ کی اصل حقیقت سے نا واقف ہے کہ اس کا نقاد ہے کون۔؟

صاحب تفسیر حقانی

(۲۰۵) مولانا عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی حضرت مولانا بابا کی خدمت میں فائز ہوئے یہ مسئلہ کہ زنا میں چار عینی شاہد کیوں ہیں جب سب امور میں صرف دو پر اکتفا کی گئی ہے مولوی صاحب کو پس و پیش میں ڈالے ہوئے تھا جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو مولانا بابا کی یہ کرامت دیکھئے کہ مولوی صاحب سے خود ہی یہ سوال کر دیا کہ زنا میں چار گواہ کیوں رکھے گئے ہیں مولوی صاحب صحت کشف پر دنگ اور حیران کہ میں خود اسی حل کے لئے یہاں تک پہونچا ہوں۔ ان کو خاموش دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ تو معمولی سی بات ہے۔ دو گواہ زانی کے اور دو زانیہ کے ملکر چار ہوئے ہیں۔ دو گواہ کا اصول تو اب بھی برقرار ہے۔"

مولوی امیر احمد صاحب

(۲۰۶) مولوی عبدالکریم صاحب جو مدرسی پر مامور تھے پھر جب حاضر آستانہ عالیہ ہوئے تو اس غوث زماں کے دیوانے ہو گئے اور ملازمت چھوڑ کر گنج مراد آباد ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی ان کے اُستاد مولوی امیر احمد صاحب جو سخت غیر مقلد اور کسی امام کے متبع نہ تھے مولانا بابا کی خدمت میں حاضر آئے تو نگاہ پڑتے ہی زنگ غیر مقلدی الیسا مٹا کہ کایا پلٹ ہی ہو گئی ایک والہانہ کیف میں چلا اٹھے کہ آج سے ہم مقلد ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ حاضر الوقت علماء نے پوچھا بھی کہ آپ تو خود مجتہد وقت ہونے کا دعوا رکھتے تھے اور مذہب امام اعظم علیہ الرحمہ کے مخالف تھے تو امیر احمد صاحب نے کہا کہ یہ سب کم پڑھے ہوئے علم کی ایک جہالت تھی۔ امیر احمد صاحب کچھ دن رہ کر والیس وطن ہوئے اور مولوی عبدالکریم صاحب درس قرآن و حدیث میں شریک رہنے لگے لیکن مولوی عبدالکریم صاحب کو نہ مولانا بابا سے خلافت ہی حاصل تھی اور نہ اجازت بیعت مولانا بابا کے سلسلہ کی ملی تھی بلکہ یہ ایک غلط اور مصلحت آمیز شہرت ہے۔ (۲۰۷) ایک مرتبہ حلیم کالج کانپور کے پرنسپل مخلص محمد احمد صاحب رضوی کا میں مہمان تھا سید اصطفا علی صاحب کاکوروی پروفیسر و اکرام اللہ خاں صاحب لکچرار نیز دیگر احباب کے مجمع میں حضرت غوث زماں قدس سرہٗ کے کشف و کرامات کا ذکر ہو رہا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر آیا سید صاحب نے سوال کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو حضرت غوث زماں نور اللہ مرقدہٗ نے تحریری سند خلافت اپنے دست خاص سے دی تھی جس کو مولوی صاحب قیوم دوراں حضرت مولانا احمد میاں صاحب قدس سرہٗ کے خوف سے ظاہر نہ کر سکے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ میں یہ سنتے ہی اول تو بے اختیار ہنس پڑا پھر جواباً عرض کیا کہ ذرا دیر کو اسے صحیح مان لیجئے تو اگر مولوی صاحب کے پاس در اصل کوئی سند خلافت ہوتی تو حضرت قیوم دوراں رحمۃ اللہ علیہ سے خوف کا سوال پھر بھی اس لئے پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ بقول آپ لوگوں کے تحریری میں خلافت

رقم تھی اور یہ خلافت سجادگی کے معارض نہ تھی تو دادا میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اپنا کام کرتے اور مولوی صاحب تحریر خلافت پر عمل کرتے۔ علاوہ ازیں کوئی حاضر وزائر الیسا اب تک پیش نہیں کیا جاسکتا جو یہ کہے کہ دادا میاں صاحب کی طرف سے کسی اجازت یافتہ کے لئے کسی قسم کی ممانعت تھی۔ معاً حاضرین میں سے کسی نے تائید کہا کہ دیکھو نہ کہ مولوی محمد علی صاحب مونگیری۔ جناب مدنی شاہ صاحب و مولوی حکیم شاہ تیاز احمد صاحب نجف آبادی رحمۃ اللہ علیہم تو قیوم دوراں قدس سرہ کے عہد میں لوگوں کو بیعت کرتے رہے مگر کسی کو کبھی خطرہ آستانہ درگاہ کی طرف سے کسی قسم کا تعرض۔ عبدالرحیم صاحب کانپوری نے کہا جگجیوا کے شاہ علی نقی صاحب خانقاہ آفاقیہ بناکر ہمارے مولانا رحمت اللہ میاں صاحب کے وقت میں بھی بیعت کرتے رہے سال گذشتہ ان کا انتقال ہوا ہے مگر ان کو کسی دور میں کبھی خدشہ بھی نہ ہوا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ رب العزت نے امر حق آپ کی زبان سے ہی کہلوا دیا لیکن ذرا یہ غور کر لیجئے کہ دادا میاں علیہ الرحمہ کے وصال شریف کے وقت ہمارے حضرات الدین کم سن تھے اس وقت کسی قسم کے خوف کا سوال نہ تھا بڑی آزادی سے مولوی عبدالکریم صاحب وہ تحریر خلافت منظر عام لاکر لوگوں کو رجوع کر سکتے تھے۔ بلکہ برائے مہربانی ذرا آپ لوگ سمجھا دیں کہ اس وقت کون سی وجہ ممانعت حائل تھی؟ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ آپ کے سننے میں کچھ فرق ضرور رہا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کہنے والے تحریر خلافت کے بجائے تحریر سجادگی کہتے ہوں۔ کیونکہ اسی صورت میں وجہ خوف کا امکان ہو سکیگا۔ یہ لوگ ہنستے ہوئے بولے کہ نہیں صاحب فقط تحریر خلافت کا کہا گیا تھا۔ دوسرا سوال مجھ سے یہ کیا گیا کہ کیا مولوی عبدالکریم صاحب کو حضرت غوث زماں علیہ الرحمہ کی دختر صاحبہ منسوب تھیں؟ میں نے کہا کہ نعوذ باللہ یہ سراپا افترا ہے بلکہ سید احمد شاہ صاحب کو بو بو صاحبہ منسوب ہوئی تھیں پھر سید صاحب کی بڑی دختر سے مولوی عبدالکریم صاحب کا عقد ہوا تھا۔ بقیہ فیصلہ خود کر لیجئے۔ یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ مولوی صاحب علیہ الرحمہ یہاں تک پابند وضع آخر عمر تک رہے کہ مولانا بابا کے عہد سے جہاں جمعہ ادا کرتے تھے وہاں حسب دستور پہلے سے آکر بیٹھتے حتیٰ کہ عید الضحیٰ۔ عید الفطر اگر مسجد فضل رحمانی میں ہوتی تو وہاں اور اگر عیدگاہ میں ہوتی تو وہاں تاحیات ادا کرتے رہے۔ بلکہ ایک بار کسی معترض نے حضرت قدوۃ العلماء مولانا شاہ ابوالافضال نعمت اللہ میاں صاحب قبلہ کی نماز جمعہ پڑھانے میں کچھ اعتراض کیا تو سب سے پہلے مولوی عبدالکریم صاحب علیہ الرحمہ نے معترض کو جواب دیا اور کہا کہ تمہاری نماز سے ہزار درجہ بہتر نماز پڑھا رہی ہے تم اور ہم کیا سولہ سترہ برس حضرت مولانا احمد میاں صاحب نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے یہ ایسی ذات ہے"۔ (۲۰۸) پرنسپل صاحب موصوف نے سوال کیا کہ حضرت مولانا بابا علیہ الرحمہ نے کیا اپنی پوتیوں کا اور مولوی عبدالکریم صاحب کا عقد خود پڑھا تھا؟ میں نے کہا کہ ہماری ملا داں والی سب سے بڑی پھوپھی صاحبہ نے بر سبیل تذکرہ یہ بتایا تھا کہ مولانا بابا صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی بیٹی صاحبہ کا عقد اور اپنے نور نظر (دادا میاں) علیہ الرحمہ کا عقد اور بقیہ اولاد میں صرف میرا عقد خود پڑھا اور کسی کا نہ پڑھا پھر وصال ہو گیا۔ باقی میری دونوں بہنوں کا عقد بھی تمہارے دادا میاں صاحب نے پڑھا اسی طرح تمہارے

ہ ولو والدین کا بھی، تمہارے دادا میاں ہی نے سہرا باندھا"، عبدالرحیم صاحب نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت غوث زماں علیہ الرحمہ کے امتیاز خداداد سے بعض لوگ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کتنے لوگوں کا مجھے علم ہے کہ خلیفہ بن بیٹھے بھتیجے و بھانجے کا جامہ کہیں پہن لیا لیکن ہم مریدین کی آنکھوں میں وہ اس طرح دھول نہیں جھونک سکتے ہمنے خود اپنے والد سے دادا سے سنا اور حضرت پیر و مرشد قیوم دوراں علیہ الرحمہ جب میرے جھونپڑے میں تشریف فرما ہوئے جب بھی یہ ملفوظ سنا کہ مولانا بابا نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی ہاں برائے امر خیر اجازت دادم ضرور لکھ دیا۔ تاوقتیکہ کوئی صاحب تحریر اجازت یا سند خلافت نہ دکھائیں ہم تو سچا مان نہیں سکتے۔ ذرا سوچیئے تو کہ لوگوں نے روزمرہ کے خطوط کو بڑی آن و بان سے شائع کیا تو ایسی تحریر پانے والوں نے اگر اسے چھپایا تو یہ خود ان کا جرم ہے۔ اور اگر تحریر رکھتے ہوئے بھی ظاہر نہ کیا تو پھر یہ سراپا جھوٹ خود ہو گیا آج بھی جو صاحب تحریر خلافت یا اجازت دکھادیں سب سے پہلے ہم اس پر لبیک کہکر ہر مخالف قوت سے ٹکرانے کو تیار ہیں"۔

مولوی سعادت حسین

(۲۰۹) مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ مولوی سعادت حسین صاحب و مولوی محمد ابراہیم صاحب آرہ و مولوی محمد اکرم صاحب نیز دیگر علماء کا مجمع تھا کہ مولانا بابا نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون سی دعا چادر اوڑھتے وقت پڑھتے تھے؟ لیکن کوئی بھی نہ بتا سکا پھر خود آپ نے فرمایا کہ ہم کو ستر برس پڑھتے ہوئے گذرے مگر بحمد اللہ یہ دعا ہے اور اسے سنایا نیز اور کئی دعائیں مع سند زبانی آپ نے سنائیں۔

مولوی محمد حسین صاحب

(۲۱۰) مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ بادی جو مسئلہ وحدۃ الوجود میں رنگے ہوئے تھے فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ نکرہ میں کتنی ہی قید لگائی جائے مگر نکرہ پھر بھی نکرہ ہے۔ یہ سنتے ہی مولوی صاحب کی تسلی ہو گئی اہل علم ہی اس کا لطف لے سکتے ہیں کہ وحدۃ الوجود کے معرکۃ الآرا مسئلہ کا کس آسانی سے حل فرما دیا۔

مولوی عبدالاحد صاحب

(۲۱۱) بحر العلوم مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کے ممتاز شاگرد مولوی عبدالاحد صاحب الہ آبادی ناقل کہ مولانا بابا جب لکھنؤ تشریف لائے تو مولوی حیدر علی خاں جن کے سر میں ایسا درد رہتا تھا جو کسی تدبیر سے اچھا نہ ہو سکا فائز خدمت ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے تو بعد بیعت مولانا بابا نے یہ شعر پڑھا ؎

بادِ نسیم آج یہ کیوں مشکبار ہے ؎ شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

یہ آپ کی کرامت کا امتیاز ہے کہ بیعت ہوتے و شعر سنتے ہی مولوی حیدر علی صاحب کے سر سے درد ہی ایسا کافور ہوا کہ تاحیات درد سر ہی نہ ہوا۔

مفتی عبداللطیف صاحب

(۲۱۲) مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں مفتی عبداللطیف صاحب فائز ہوئے تو آپ نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرض الموت میں بار بار یہ کیوں پوچھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی باری کب آئے گی سب علماء خاموش رہے تو خود مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا وارث وہی ہو گا جو نزع میں ان کے پاس ہو چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشت مبارک کی ٹیک ان کے سینہ مبارک سے تکیہ کے طور پر لگائے ہوئے واصل بحق ہوئے اسی لئے تمامی علم نبوت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تفویض ہوا اسی لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار دریافت فرماتے تھے کیوں کہ آپ خود ہی اس حقیقت سے واقف تھے کہ اس کا وارث بجز بی بی عائشہ کے اور کوئی نہیں۔ (۲۱۳) پھر اپنے مفتی صاحب سے فرمایا تم کو معلوم ہے کہ میں نے مراد آباد میں کیوں قیام کیا یہ محض اس لئے کہ ہم کو حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے قیام گنج مراد آباد کا اس بناء پر حکم دیا کہ یہاں ایک نبی کی قبر ہے۔

مولانا یعقوب صاحب

(۲۱۴) اسی اثنا میں مولانا محمد یعقوب صاحب کا ذکر آیا تو مولانا بابا نے ان کو اس طرح یاد کیا جیسے کسی بالنسبت کو یاد کرتے ہیں اور فرمایا کہ ان کی بیٹی ہم سے مرید ہوئیں اور ان کے داماد مرزا امیر بیگ تو مکہ شریف میں تھے۔

مولوی لطف اللہ صاحب

(۲۱۵) ایک مرتبہ مولانا بابا عبدالرحمٰن خاں کان پوری مالک مطبع کے وہاں قیام پذیر تھے تو مولوی لطف اللہ صاحب ملاقات کو حاضر ہوئے کچھ دیگر تذکرہ کے بعد مولوی صاحب کے والد مفتی عنایت احمد صاحب کے سمندر میں ڈوب جانے کا ذکر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شہید ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا حج لکھدیا۔ مولوی صاحب کی تلافی غم ہو گئی۔

شاہ غلام رسول صاحب

(۲۱۶) کچھ دیر بعد مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت شاہ غلام رسول صاحب کان پوری مجھ کو نہیں پہچانتے تھے خدا جانے شاہ صاحب نے کیا دیکھا کہ وہ کان پور میں ہم کو اپنے گھر لے گئے۔ اور کہا کہ یہیں مسجد میں نماز پڑھا کرو اور یہیں کھانا بھی کھاؤ اور سویا بھی کرو۔ پھر یہاں ہم سے وہ مراد آباد بھی ملنے آیا کرتے تھے بڑے بالنسبت بزرگ تھے۔

محمود خاں صاحب

(۲۱۷) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ محمود خاں صاحب قندھاری جو حضرت مرشد علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے ایک ہزار ماہوار پر نوکر تھے۔ آصف الدولہ نیز دوسرے لوگ ان کو ولی سمجھتے تھے اتفاقاً وہ ایک لڑائی پر گئے وہاں کسی کافر نے ان کی گردن پر تلوار ماری گو ایسی سخت نہ لگی مگر خون بہنے لگا جو آیا خاں صاحب نے بھی حریف پر تلوار کا ہاتھ اٹھایا تو حریف نے فوراً کہا کہ میں سید ہوں تو خاں صاحب وہیں رک گئے لوگوں نے کہا بھی کہ ارے صاحب یہ تو کافر ہے خاں صاحب نے کہا کچھ بھی ہو مگر میں نے تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی شب کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور رہیں (۲۱۸) پھر ارشاد فرمایا کہ آخر میں نواب سعادت علی خاں نے پانچ سو روپیہ مزید خاں صاحب کے اور بڑھا دیئے تھے خاں صاحب جب راہ میں چلتے تو راہ میں جو کاغذ وغیرہ پڑے ہوتے اٹھواتے جاتے (۲۱۹) پھر فرمایا کہ جب میں جاتا تو مجھ کو اپنے پاس بیٹھاتے ساتھ کھانا کھلاتے لوگ متعجبانہ جب پوچھتے تو

کہتے کہ تم کیا جانو کہ یہ کرم کا کیا ہے اور کیا ہوگا۔ غرض کہ ایسا ہی بہت کچھ کہتے جسے میں اپنے منہ سے کیا کہوں۔ یہ بارہ تیرہ سال کی عمر کا قصہ ہے۔

کرامت

(۲۲۰) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب خاں صاحب کا وصال ہوا تو ان پر چالیس ہزار کا قرض تھا۔ خاں صاحب کے گھر والے سب مجھے جانتے تھے بلکہ خاں صاحب کے والد تو میری بڑی تعظیم کرتے تھے ان لوگوں نے جب ہم سے کہا تو ہم نے دعا کی خدا کی قدرت ایک بہت بڑا سوداگر آیا اور اس نے خاں صاحب کا مکان جو بہت بڑا نہایت پسند کر کے اتنی قیمت پر خرید لیا کہ سارا قرض ادا ہو کر اثاثہ اور بچ رہا کہ جس سے ان کی روٹی کی صورت ہو گئی۔ (۲۲۱) پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خاں صاحب کے بڑے لڑکے کی کوئی اولاد نہ ہوتی تھی ہم نے ان کو کچھ دم کر کھلا دیا تو ان کے اولاد ہوئی یوں اگرچہ وہ ہمارے معتقد تھے مگر اس کے بعد ان کے بیوی بچے وغیرہ سب ہم سے مرید ہوئے۔ خاں صاحب اتنے محتاط تھے کہ ان کے محلہ میں غیر محلہ والا بھی نہ جا سکتا تھا مگر ہمارے لئے کوئی روک نہ تھی اس قدر چاہتے تھے۔

جناب کالے صاحب

(۲۲۲) احمد تکی نے عرض کیا کہ حضرت فخر الدین اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب ایک ہی زمانہ میں تھے تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ہاں اور حضرت فخر الدین کے پوتے کالے صاحب میرے مرید بھی ہوئے تھے۔

مولوی محمد فاروق صاحب

(۲۲۳) ایک بار سعدی پور ضلع دربھنگہ کے مولوی محمد فاروق صاحب مولوی عبدالواسع صاحب مولوی محمد عارف صاحب حاضر خدمت ہوئے تو مولانا بابا نے سوال کیا کہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنے ہوئے مولوی فاروق صاحب نے لفظی ترجمہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زبان عشق میں اس کا ترجمہ کرو عاشق و معشوق کا معاملہ ہے سب ساکت تو ارشاد فرمایا کہ پیار کرے اللہ ان کو اور سلامت رکھے یہ سنتے ہی مولوی فاروق صاحب کے منہ سے بیساختہ چیخ نکل گئی۔ ایک کیف میں یہ تکرار کرنے لگے۔

برکف جام شریعت برکف سندان عشق ؎ ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

مولوی عبد العلی صاحب

(۲۲۴) ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد مولوی انور صاحب لکھنوی باوجودیکہ مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی کے شاگرد تھے اور باہم بھیا بندی بھی تھی لیکن یہ کہتے تھے کہ حق یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب مولوی عبد العلی صاحب سے بڑھے ہوئے تھے۔ (۲۲۵) پھر ارشاد کیا کہ میں نے مولوی عبد العلی صاحب کو دیکھا نہ تھا لیکن ان کے بیٹے کو دیکھا اور ان کے پوتے وبھویں وغیرہ سب ہم سے مرید ہوئے۔

حضرت بریلوی

(۲۲۶) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی بغرض ملاقات حضرت قدسی صفات مولانا بابا علیہ الرحمہ گنج مراد آباد ماہ رمضان میں آئے اور ایک جگہ ٹھہر کر خدمت اقدس میں اطلاع کرائی کہ ایک شخص بریلی سے ملنے آیا ہوا ہے۔ مولانا بابا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہاں فقیر کے پاس کیا

دہرا ہے ان کے والد عالم دادا عالم وہ خود عالم۔ پھر بکمال لطف فرمایا کہ بلالاؤ۔ بوقت ملاقات حضرت بریلوی نے میلاد شریف کی بابت استفسار کیا تو مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ خود بھی تو عالم ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو میلاد کو مستحب جانتا ہوں اس پر مولانا بابا نے فرمایا کہ میں سنت جانتا ہوں کیونکہ صحابہ کرام جو جہاد میں تشریف لے جاتے تھے۔ نیز گھروں میں اپنے اہل و عیال سے کیا کہا کرتے یہی نہ کہ مکہ معظمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان پر قرآن اتارا۔ انہوں نے یہ معجزے دکھائے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل عطا فرمائے مجلس میلاد میں بھی یہی بیان ہوتا ہے جو صحابہ اپنے مجمع میں کہا کرتے فرق اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڈو بانٹتے ہو صحابہ اپنی مجلس میں مُوڑ (سر) بانٹتے تھے۔ حضرت بریلوی نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمایئے ارشاد فرمایا کہ تکفیر میں جلدی نہ کیا کرو۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ میں تو ان کو کافر کہتا ہوں جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں کہ مولانا بابا کو کشف ہوا فرمایا کہ ہاں ہاں جو ادنیٰ حرف گستاخی شان اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں بکے بلاشک کافر ہے بعد ازاں آپ نے اپنی کلاہ مبارک حضرت بریلوی کو عنایت فرما کر ان کی ٹوپی خود لے لی۔ (طریقۂ صوفیاء میں تبدیل لباس بھی فیض رسانی کا ایک طریقہ ہے) پس ۲۹ رمضان مبارک ۱۲۶۲ھ کو رخصت واپسی بخشی۔

مولوی نذیر حسین صاحب

(۲۲۷) محدث دہلی مولوی نذیر حسین صاحب نے بڑی تعظیم سے مولانا بابا علیہ الرحمہ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا اور اپنے بھتیجے یا بھانجے کو بھی بغرض بیعت خدمت بابرکت میں بھیجا۔ ایک صاحب بول اٹھے کہ خود مولوی صاحب نے کیوں مرید نہ کر لیا تو مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ مرید کرنا کوئی کھیل اور بانسبت ہونا کوئی تماشہ نہیں ہے"۔ یہ چند واقعات اس کا نمونہ ہیں کہ کیسے جید علماء و کامل صوفیاء آتے اور فیض حاصل کرتے۔ ورنہ یہ فہرست بہت طولانی ہے مولوی نورالاسلام صاحب مولوی لطف اسلام صاحب فتح پوری مولانا حافظ ابو سعید صاحب جن کو حواشی حدیث تک ازبر یاد تھے ایسے نہ جانے کتنے ماہرین فن حاضرین شراب عقیدت و بادۂ بیعت سے سرشار ہیں لیکن بقیہ واقعات کچھ ایسے ملے جلے ہیں کہ آئندہ ابواب کو بالترتیب ایک عنوان پر قائم رکھا نہیں جا سکتا۔

دسواں باب

نور درخشاں

(۲۲۸) دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مولانا بابا کے چہرے پر ایک عالم نور درخشاں رہا کرتا تھا۔ چودہری سکندر علی صاحب رئیس لکشام ناقل کہ وہ میرے دل میں تمنا تھی کہ عید الضحیٰ کی نماز مولانا بابا علیہ الرحمہ کے پیچھے ادا کرتا۔ اسی حساب سے حاضر آستانہ بھی ہوا کہ عید قرباں واقع ہو گئی میں اور واحد حسین صاحب فرخ آبادی ڈاکٹر عبدالقادر خاں والے مکان میں ٹھہرے تھے یہیں سے ایک میدان میں جو مسجد سے پچھم بستی کے تالاب کے آگے پڑتا ہے سات بجے صبح ہی پہنچ گئے تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا بابا تشریف لا رہے ہیں ہم دونو شخصوں نے نیز بعض ان پیر بھائیوں نے جو میرے ساتھ وہاں ادائے نماز کو آئے

تھے دیکھا کہ آپ کے سر مبارک و عارض پر نور پر ایک عالم نور ضو فشاں ہے با لقسم کہتا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند پر ہالہ ہو گو بہت درویشوں سے میں نے ملاقات کی مگر یہ کیفیت کسی میں نہ دیکھی"۔ انتہی۔

امتیاز خصوصی

(۲۲۹) مولوی حبیب اللہ صاحب رحمانی ساکن ٹانڈہ جو یہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے ناقل ہیں کہ دو میری عمر کے چودہ پندرہ سال تو ایسے گذرے جس کے ہر ماہ کا زائد حصہ آستانہ پر گذرا کیا بے حد کشف و کرامات آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں از انجملہ یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیر و مرشد غوث زماں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن صاحب علیہ الرحمہ نظر نہیں آتے تو بر ملا ملال گذرا۔ اسی اثنا رمیں بکمال شفقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیوں ملول ہے عرض کیا کہ پیر و مرشد کیا یہاں نہیں ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو دربار عام ہے یہاں وہ کہاں پھر پردہ حجاب اٹھا تو پیر و مرشد حریم خاص میں تھے۔ کئی روز مجھ پر وجدانی کیف طاری رہا۔ (۲۳۰) ۲۷ر رمضان مبارک کو حضرت دادا میاں علیہ الرحمہ نے مولانا بابا علیہ الرحمہ کا مقام رفیع الشان ملاحظہ کیا تو دیر تک مدہوش پڑے رہے۔ معاملہ موہوی کا ظہور تھا اس سے زائد دادا میاں صاحب رح نے اظہار نہ فرمایا۔ عقلمنداں را اشارہ بس است۔ ذرا فیصلہ کیجئے کہ جب ایسے اولیائے وقت کاملین عصر کا یہ حال ہوا تو ہم آپ کس گنتی میں ہیں ؎

انہیں غوث و قطب کہنا تو تسکین خیالی ہے
سراپا فضل رحمٰن ہے حقیقت فضل رحمٰن کی

نوید مغفرت

(۲۳۱) مولانا بابا نے فرمایا کہ میں نے ایک بار حضرت مرشد علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ مجھ کو وہاں کا بڑا خیال ہے دیکھئے کیا معاملہ پیش آتا ہے تو حضرت مرشد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تم تو خیر تم ہو تمہاری وجہ سے وہ ہزاروں آدمی جو تم سے محبت رکھیں گے بخش دیئے جائیں گے۔ (۲۳۲) اسی جلسہ میں مولانا بابا نے فرمایا کہ بعض بات بہت بڑی ہوتی ہے ایک شخص لکھنؤ میں ہمارے دوست تھے وہیں ایک عورت بھی ہمارے ملنے والوں میں تھی اسی کا جب انتقال ہوا تو ہمارے دوست نے دیکھا کہ فرشتوں نے جب اس سے سوال کیا تو عورت نے کہا کہ میں مولوی فضل رحمٰن سے محبت رکھتی ہوں فوراً حکم ہوا کہ اسے چھوڑ دو۔ ایسا بھی ہوتا ہے (۲۳۳) پھر فرمایا کہ نام تو اصل میں منکر نکیر ہی ہے مگر نیک لوگوں کے لیے ان کا نام مُبَشِّر و بَشیر رہے ہے۔

بشارت مجددی

(۲۳۴) ایک بار مولانا بابا نے فرمایا کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں) ہزاروں آدمی تمہارے سبب سے بخشے جائیں گے۔

بشارت مصطفائی

(۲۳۵) مولوی سید محمد علی صاحب مونگیری رح بیان کیا کہ میں اس تردد میں تھا کہ دیکھئے انجام کیا ہو کہ مولانا بابا نے مکاشفہ سے معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ ایک بار مجھے بھی یہی تردد تھا تو میں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا فرماتے ہیں کہ وہ تم کیا بلکہ تم سے جو محبت رکھے گا اس کا انجام بخیر ہوگا"۔

تصدیق انیق

(۲۳۶) ایک بار دادا میاں قبلہ علیہ الرحمہ نے خواب میں دیکھا کہ عرش کے نیچے ہجوم ملائکہ ہے اس اثنا میں ایک شخص گرفتار پیش کیا گیا تو کسی نے کہا کہ یہ تو مولوی فضل رحمٰن کا

کرتے ہے۔ ندا آئی کیا وہ آفاقی ہے انہوں نے کہا ہاں وہی حکم ہوا کہ چھوڑ دو بس وہ چھوڑ دیا گیا پھر دادا میاں نے یہ
خواب مولانا بابا سے بیان کیا۔ (۲۳۷) کچھ عرصہ بعد وہی صاحب حاضر آستانہ ہوئے تو دادا میاں صاحب نے ان کو
دیکھتے ہی پہچان لیا اور حاضر خدمت بابرکت کیا تو مولانا بابا نے اپنی زبان سے ان کو بشارت عفو و کرم بخشی۔ یہ قصہ اسی
وقت سے زبان زد خلائق ہے ؎

نکیریں پوچھتے ہی تھے کہ اتنے میں ندا آئی ۴ اسے مت چھیڑنا۔ دیوانہ یہ ہے فضل رحمٰن کا

معرفت

(۲۳۸) جو معاملات محض وہبی ہوں اور کسب کا ان میں دخل نہ ہو اسے فضل کہتے ہیں اور
جس میں کسب کا بہانہ ہو اسے رحمت کہتے ہیں پس اس فضل اور رحمت دونوں کے مجموعہ سے
فضل رحمٰن مرکب ہے۔

کرامت ونسبت

(۲۳۹) اسی جلسہ میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم علیہ الرحمہ کا ذکر آیا تو
مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم کا بڑا رتبہ ہے اور ہم کو تو بچپن سے
امام اعظم علیہ الرحمہ سے محبت ہے ایک مرتبہ ایک شخص نے ہماری دعوت کی اور بھی لوگ تھے کسی نے ہم سے کہا
یہاں ایسے چند لوگ بھی ہیں جو امام اعظم سے محبت نہیں رکھتے پھر تو ہم سے صبر نہ ہو سکا ہم نے وہاں امام اعظم کی
بہت کچھ فضیلت بیان کی اور غصہ میں ایسے لوگوں کو بھی بہت کچھ کہا۔ وہاں سے آکر ہم نے خواب دیکھا کہ ایک شخص
کہتا ہے کہ یہاں امام اعظم بیٹھے ہوئے ہیں ہم نے کہا چلو ہم بھی چلیں گے میں جو وہاں گیا تو سبحان اللہ کیا چہرہ تاباں
دیکھا پھر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا اور مجھے اپنے پاس مسند پر بٹھا لیا گو میں نے ہر چند عذر کیا مگر نہ قبول ہوا
پھر امام شافعی صاحب کو بھی دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں پھر ان کو بیٹھا یا اور مجھ سے علمی مسائل کی باتیں
کرتے رہے میں نے اجازت چاہی تو اور بیٹھنے کے لئے کہا تھوڑے توقف کے بعد میں رخصت ہوا تو بکمال محبت
رخصت کیا میں نے پلٹ کر دیکھا تو امام شافعی صاحب مجھے پہنچانے تشریف لارہے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ
اتنے بڑے امام ہو کر یہ کیا غضب کر رہے ہیں مگر موصوف نے نہ مانا اور بہت دور تک پہنچانے آئے پھر آنکھ کھل
گئی۔ (۲۴۰) ارشاد فرمایا کہ اگرچہ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد ان سب کے بڑے رتبے ہیں لیکن یہ امام
صاحب کو نہیں پہنچتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت جو امام صاحب کو حاصل ہے اس کی فضیلت
کہاں جائیگی ؎

کرامت

(۲۴۱) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک فرنگی بہت پڑھا لکھا تھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
کے یہاں بھی آیا کرتا تھا شاہ صاحب کے انتقال کے بعد وہ دہلی میں جن لوگوں کے پاس
گیا غالب آیا۔ مولوی محمد اسحٰق صاحب کے وہاں بھی خبر ہوئی کہ وہ یہاں بھی آرہا ہے اتفاق سے میں اس وقت بیٹھا تھا
میں نے کہا آتا ہے تو آنے دو کیا مضائقہ ہے غرض کہ فرنگی آیا اور اس نے مولوی اسحٰق صاحب سے کچھ پوچھا تو میں
نے اس بات کا جواب فرنگی کو دے دیا تو اس نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا کہ یہ کون شخص ہے لیکن اس سے میں نے
ایک باتیں اور بھی کہیں اور ایک بات مزید کان میں کہہ دی۔ بس پھر کیا تھا۔ (۲۴۲) پھر فرمایا کہ ایسے ہی ایک اور

فرنگی دہلی کے تمام پیرزادوں کے پاس پھرا جس کے یہاں جاتا وہ اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے۔ حضرت مرشد کے وہاں بھی اس کی آمد کا تذکرہ ہوا میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہرگز نہ کھڑے ہوں حضرت مرشد نے فرمایا کہ میرا خود تمہارے بغیر کہے کھڑے ہونے کا ارادہ نہ تھا غرض کہ فرنگی آیا اور حضرت مرشد بیٹھے رہے اس سے بھی میں نے ایسے ہی کچھ کہہ دیا۔ لو وہ ہو گیا۔ پھر اس فرنگی نے وہاں سے واپس ہو کر کئی لوگوں سے کہا کہ تمہارے شہر میں بس یہی ایک شخص ہے۔" ہر دو روایات میں دونوں فرنگی بات کرتے ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

کرامت

(۲۴۲) عبداللہ شاہ صاحب رحمانی مولانا بابا کی خدمت میں آ رہے تھے اثنائے راہ میں ایک ندی پڑی انہوں نے یہ خیال کیا کہ گھوڑی نکل تو جائے گی ندی میں گھوڑی ڈال دی چنانچہ گھوڑی دلدل میں پھنس گئی اور دھنسنے لگی۔ عبداللہ شاہ نے فوراً ہی مولانا بابا کو یاد کیا چنانچہ مولانا بابا نے مدد فرمائی، اور گھوڑی دلدل سے نکل گئی۔ جب گنج مراد آباد عبداللہ شاہ فائز خدمت ہوئے تو مولانا بابا ایک چادر اوڑھے بیٹھے تھے عبداللہ شاہ کو دیکھ کر فرمایا کہ لوگ ہم کو بلاوجہ تکلیف دیا کرتے ہیں اور اپنی پشت مبارک کھول کر دکھائی تو گھوڑی کے چاروں سم کا نشان مع کیچڑ کے آپ کی پشت اطہر پر تھا۔ عبداللہ شاہ آخر میں فیض صحبت سے مرد کامل ہوئے۔ (۲۴۳) ایسی ہی ایک اور روایت سعید الغنی صاحب پنشنر جج نے بیان کی واقعہ بعینہٖ یہی ہوا نام کا فرق ہے۔ (۲۴۴) ایک مرتبہ جہاز پر حجاج کعبہ شریف جا رہے تھے کہ جہاز گرداب بلا میں آ گیا۔ راکبین جہاز جن میں بہت سے مولانا بابا کے مرید تھے نے اپنے پیر و مرشد سے مدد چاہی۔ تو ان حجاج نے بچشم خود دیکھا کہ مولانا بابا نے جہاز میں کندھا لگا کر جہاز نکالا۔ یہ واقعہ بھی عوام و خواص میں بہت مشہور ہو چکا ہے۔

کشف جلی

(۲۴۵) مرزا محمد علی بیگ صاحب بھوپالی ناقل کہ میں جب مراد آباد شریف پہنچ گیا اور ایک روز آئے ہوئے ہو چکا تو میرے پاس واپسی بھر کے چالیس پینتالیس روپیہ بچ رہے تھے اسی روز مولانا بابا کو کسی کو دینے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوئی میں حاضر خدمت ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تمہارے پاس پینسٹھ روپیہ ہوں تو ہم کو قرض دے دو میں سوچنے لگا کہ اتنے تو نہ ہوں گے کہ پھر فرمایا تم اپنے بٹوے میں تو ذرا دیکھو چنانچہ میں نے بٹوا کھولا اور روپیہ گنا تو پورے پینسٹھ ۶۵ روپیہ نکلے اس کشف جلی پر دنگ رہ گیا اور وہ رقم پیش کر دی جسے آپ نے جلد ہی مجھے واپس کر دیا۔

کرامت

(۲۴۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ میں ایک قصبہ سے گذرا وہاں کچھ طوائفیں رہتی تھیں انہوں نے ہمیں کھڑے ہو کر سلام کیا تو ہم نے جھڑک دیا خدا کی قدرت کہ ہم تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ وہ سب آ کر ہماری مرید ہو گئیں اور سب نے نکاح بھی کر لئے۔

فضل رحمٰن سب کو درکار ہے

(۲۴۷) ایک صاحب نے جو تذکرہ مشائخ تحریر کر رہے تھے ایک شخص کو بدریافت حالات یہاں بھیجا مولانا بابا کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ بس اتنا لکھدو کہ فضل رحمٰن سب کو درکار ہے۔ دراصل دنیا آج بھی اسی کی شیدائی اسی کی سوالی اسی کی بھکاری ہے۔

جناتوں کا صرف سلام سے فرار

(۲۴۸) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص ردم سے میرے پاس آئے اور جنات کے ستانے کی شکایت کی ہم نے [ان] سے کہا کہ تم اس جنات سے ہمارا سلام کہدینا۔ چنانچہ رومی نے ایسا ہی کیا تو وہ جن چلا گیا۔ (۲۴۹) مرزا محمد علی بیگ صاحب نے بیان کیا کہ ایک بھوپال کی رئیس زادی کو ایک جن بے حد ستارہے تھا اور کسی کے بھگائے نہ بھاگتا۔ عاجز ہو کر لڑکی کے والد نے مولانا بابا کو بھوپال لانے کے لئے ایک شخص کو بھیجا اور مجھ کو بھی سفارشاً روانہ کیا بہت کچھ یہاں آکر [کہا] لیکن آپ نے تشریف لے جانا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ تم لڑکی کے کان میں جاکر یہ کہدینا کہ فضل رحمٰن نے تمہیں سلام کہا ہے۔ بس ایسا کہنے ہی وہ اچھی ہو گئی۔ اگر اسی ایک چیز کو لے لیجئے تو آپ کا کمال و رفعت بالکل واضح ہے [اور] بس نہیں ہزاروں کی اسی سلام سے جان بخشی ہوئی ہے۔ (۲۵۰) مسجد فضل رحمانی میں بھی بہت سے جن [آ]کے کیا مجال کسی کی کہ یہاں پیر رکھ دے ایک شخص حضرت مرشد کے خاندان کے وہ آذان کہتے اور ایک سوا کہیں [جا] کر نماز پڑھ جاتے مولانا بابا نے فرمایا کہ جب ہم یہاں آئے تو وہ جن آکر ہمارے مرید ہوئے ہم نے سمجھا دیا کہ یہاں آنے والوں کو نہ ستائیں۔

کرامت

(۲۵۱) مولانا بابا صاحب ایک مقام پر پہنچے اور کنواں دیکھ کر پانی طلب فرمایا تو ساکنان قصبہ نے کہا کہ حضرت یہ کنواں تو نہ جانے کب سے اندھا پڑا ہے آپ نے فرمایا تم بسم اللہ کہہ [کر ا]س میں سے ڈول بھرو لوگوں نے جب ڈول باہر نکالا تو وہ شفاف پانی سے لبریز تھا۔

نسبت موسوی

(۲۵۲) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے اور ایک خادم بھی ساتھ تھا کہ ایک دریا پڑا تو بغیر کشتی ہم مع خادم کے پار اتر گئے اور دامن بھی کسی کا تر نہ ہوا۔ (۲۵۳) پھر ارشاد فرمایا کہ جس کو نسبت موسوی حاصل ہے اسی سے یہ کرامت صادر ہوتی ہے۔

ب سے نکلتے ہی اچھا ہونا

(۲۵۴) قاری عبدالرحمٰن صاحب جو حیدرآباد چلے گئے تھے ناقل کہ ایک مرتبہ میرے ہاتھ پاؤں ایسے رہ گئے کہ نقل و حرکت بالکل ناممکن ہو گئی چنانچہ حاضر آستانہ ہو کر عرض حال بھی نہ کر پائے تھے کہ مولانا بابا نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں تم تو اچھے خاصے ہو۔ معاً قاری صاحب اسی وقت ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کچھ مرض ہی نہ ہو۔ (۲۵۵) احسان علی صاحب رحمانی جیلر (ریٹائرڈ) ناقل کہ مجھے صغر سنی میں دق کا آخری اسٹیج ہو گیا۔ والد مجھ کو مع ڈاکٹر و ملازمین لے کر گنج مرادآباد چلے راستہ میں پانی برسا تو میری حالت اور خراب ہو گئی۔ اسی عالم یاس میں آستانہ پہنچے۔ فائز خدمت ہوئے تو کوئی صاحب کہیں کی مشہور ربالو شاہیاں ہتھیلی سے بڑی پیش کر رہے تھے کہ میری طرف دیکھ کر میرے والد سے مولانا بابا نے فرمایا کہ اسے بیمار کون کہتا ہے اس کا تو سر بھی نہیں دکھتا ہے۔ ڈاکٹر حیران۔ والد دنگ میں ساکت کہ اس میں کی دو بالو شاہی بالخصوص مجھے مرحمت فرمائیں۔ بیس برسوں کا ترسا اسی وقت کھا گیا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی صحیح و تندرست پیدا ہوا ہوں۔ اسی دن سے اب تک سر میں درد تو دوسری چیز ہے بھاری پن بھی نہ آیا۔

کرامت

(۲۵۶) حضرت شاہ خادم صفی صاحب صفی پوری کا جب وصال ہوا تو مولانا بابا نے اپنے خادم

امام علی سے فرمایا کہ تم جاکر ہماری طرف سے مٹی دے آو۔ حالانکہ مسافت ۱۸ میل تھی مگر امام علی ایسے جلد پہنچے کہ مٹی میں شریک ہوئے اور قبل غروب پاپیادہ واپس بھی آگئے۔

سورج کا شرمانا

(۲۵۷) شاہ آلہی بخش صاحب فرخ آبادی ناقل کہ قبل طلوع آفتاب صحن مسجد میں مولانا بابا مسائل حدیث بیان فرمارہے تھے طول جلسیہ کافی وقت تک رہا مگر دھوپ نمودار نہ ہوتی تھی کہ مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جلال سے سورج کو گہن لگ جاتا تھا۔ اور اب بھی آپ کے غلام ایسے ہیں کہ سورج ان سے شرماجاتا ہے۔ اس کے بعد اختتام پر جب آپ اٹھ کر چلے تو فوراً دھوپ نکلی (۲۵۸) اثنائے درس حدیث بعد اشراق کچھ دھوپ ادھر کو نہ پڑی کہ جس کے وسط میں حدیث شریف ہوا کرتی ایک صاحب کے دل میں خطرہ گذرا کہ یہاں سے اگر دوسری جگہ بیٹھتے تو اچھا تھا کہ مولانا بابا پر منکشوف ہوگیا معاً فرمایا کہ سورج کی کیا مجال کہ جہاں حدیث شریف ہو وہاں چمکے اور درس میں مشغول ہوگئے۔ احمد علی ناقل کہ جس گوشہ پر دھوپ تھی وہیں رہی اور باقی جگہ سایا ہی رہا۔ مولانا بابا کے اٹھتے ہی اتنی تیز دھوپ وہاں آئی کہ برداشت نہ ہوسکتی تھی۔ (۲۵۹) نواب ظل کریم صاحب ڈھاکہ ۱۳۱۹ھ میں حاضر آستانہ ہوئے تو بیان کیا کہ میرے والد مجھے لے کر حاضر خدمت ہوئے تو مولانا بابا مثنوی مولانا روم ہاتھ میں لئے پڑھ رہے تھے کہ کچھ دھوپ نمودار ہوئی کہ آپ نے سورج کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ ہم مثنوی شریف پڑھ رہے ہیں اور تم کو اس کا بھی پاس نہیں معاً یہ معلوم ہوا کہ سورج ابھی نکلا ہی نہیں اور پڑھتے وقت تک یہی سماں رہا۔ اس کے بعد اور کئی مریدین نے درس تفسیر کے لئے بھی ایسا ہی نقل کیا۔ جس سے واضح ہے کہ اکثر یہی ہوتا۔ جو شخص جس موقع پر ہوا اس نے ویسی نقل کی۔ ورنہ روایات متحد المعنی ہیں گو ایسا اکثر پیش آیا کیا اور ایک دو بار کا یہ واقعہ نہیں۔ اس کے آگے آپ ہم سے زائد سمجھ سکتے ہیں۔

ممنوعات سے پرہیز پر شرف

(۲۶۰) پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کا بڑا درجہ ہے ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم نے گاجریں خریدیں تو ایک گاجر زائد آگئی موصوف اس کو واپس کرنے گئے۔ غور کرو کہ ایک گاجر کی حقیقت ہی کیا مگر تَرْكُ ذَرَّةٍ مِّمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ ممنوعات خداوندی سے ایک ذرہ بھی چھوڑ دینا عبادت ثقلین سے بہتر ہے

امام عالی مقام علیہ السلام

(۲۶۱) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام میں باہم کچھ خلش ہوگئی لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ آپ چھوٹے ہیں جاکر صفائی کر لیجئے امام صاحب نے فرمایا کہ میں چھوٹا ضرور ہوں لیکن اول خود نہ جاؤنگا بالآخر امام حسن علیہ السلام ہی آگئے اور چھوٹے اس وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ دو بھائیوں میں رنجش ہوجانے پر جو پہلے جاکر اول صفائی کرے وہ جنتی ہے اس وجہ سے میں خود اول حاضر ہوتا کہ اول آپ آئیں اور مجھ سے پہلے جنت میں جائیں۔ (۲۶۲) پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری سفارش کے لئے پیدا کیا تھا۔ کچھ سمجھے آپ ایک محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد عالی کو۔؟

حقوق العباد

(۲۶۳) اسی جلسے میں یہ ارشاد فرمایا کہ جب بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال شریف ہوا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ (یا کسی اور کو فرمایا کہ اس) اس نے خواب میں دیکھا کہ بی بی فاطمہ علیہا السلام جنت میں نہیں جا سکتی ہیں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں سے پاک صاف فرما دیا تھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ممدوحہ بی بی صاحبہ کسی کی سوئی مانگ لائی تھیں وہ واپس نہ ہو سکی تو حضرت مشکل کشا کرم اللہ وجہہ نے وہ سوئی مالک کو پہنچا دی۔ پس بھائی وہاں کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ سچ بھی ہے اسی پر تو کہا گیا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ کہ نیکوں کی جو بھلائیاں ہیں وہ مقربان حق تعالیٰ کی برائیاں ہیں۔ نہ کہ حق العباد جس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

کشف

(۲۶۴) ایک دن تہجد کے وقت مولانا بابا کچھ بزرگان دین کا ذکر فرما رہے تھے مولوی احمد حسن صاحب بہاری بھی حاضر تھے ان کو یہ خطرہ ہوا کہ اس وقت بھی لوگ ناحق آکر ذکر و شغل میں تعلل ڈالتے ہیں۔ ادھر ان کے دل میں یہ خیال آیا ادھر مولانا بابا نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ بزرگان کا ذکر بھی تہجد سے کم نہیں نیز تہجد کے وقت جاگنا تو قرآن سے ثابت ہے۔

کرامت

(۲۶۵) مولانا بابا جب قیام لکھنؤ میں بزمانہ تعلیم مولوی محمد یحییٰ صاحب کی مسجد میں تشریف فرما تھے تو مولوی محمد یحییٰ صاحب و دیگر علماء مولانا بابا سے ملنے چلے۔ عمر شریف ۹ برس سے کم تھی کہ تھوڑی دیر بعد آپ بازار تشریف لے چلے تو میں (مولوی محمد یحییٰ صاحب) و نیز اور حضرات ہمراہ ہوئے بازار پہنچکر ایک برتن والے کی دوکان پر آپ نے تشریف رکھی اور فرمایا کہ لوٹا دکھاؤ۔ دوکان دار نے اچھے قسم کے لوٹے دکھائے تو فرمایا کہ یہ نہیں دوسرے دکھاؤ اور لوٹے آئے وہ بھی آپ کو ناپسند رہے تو پرانے لوٹوں پر نوبت آئی چنانچہ آپ نے ایک پرانا لوٹا پسند فرمایا۔ دوکان دار نے کہا بھی کہ یہ تو از حد خراب ہے مگر آپ نے اس کی قیمت پوچھی دوکان دار نے ڈیڑھ روپیہ بتایا تو آپ نے پانچ روپیہ دے کر اسے خرید لیا۔ لوگ متعجب ہو رہے تھے کہ خود فرمایا کہ اس لوٹے کو قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زائد تھا اس سے لیا ہے۔ غور کیجیے اس محبت رسول پر اور اس نظر و رفعت پر جب ہی تو بچپن سے علماء دیوانے رہے۔

سیدنا مخدوم مصلح العاشقین

(۲۶۶) ایک جلسہ میں مولانا بابا نے فرمایا کہ ہمارے جد امجد مخدوم صاحب گو چشتی تھے مگر خلاف شرع سماع وغیرہ نہ سنتے تھے۔ پھر مخدوم صاحب کی یہ کرامت بیان کی کہ ایک دن مخدوم صاحب دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ دور سے ہندوؤں کی برات گاتی بجاتی آنکلی۔ مخدوم صاحب کے خلیفہ شاہ وجیہہ الدین صاحب نے ان لوگوں کو منع کیا کہ حضرت چونکہ دروازے پر تشریف فرما ہیں اس لیے خاموشی و ادب سے گذر جائیں لیکن ان لوگوں نے نہ مانا تو مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نے پلک اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا تو سب کے سب آکر مسلمان ہوئے اور مرید بھی ہو گئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ سب کی حقیقی بارات ہو گئی۔ (۲۶۷) اس پر دادا میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مکان کے لیے ایک شہتیر آیا تو وہ اتفاق سے چھوٹا پڑا۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ تم درخت میں تو بڑے تھے یہاں

بھی بڑھ جاؤ اب جو تنہیر دکھا گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مولانا بابا نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (۲۶۸) مولانا بابا نے فرمایا کہ حضرت مخدوم مصباح العاشقین صاحب علیہ الرحمہ کا سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ گیسو دراز خلیفہ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ہے یہ شعر حضرت چراغ دہلوی نے حضرت گیسو دراز کے لئے فرمایا ہے ؎

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد والله پاک نیست او عشق باز شد

(۲۶۹) جب حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ اول ہیں ملاواں تشریف لائے تو آپ کا مقابلہ بادشاہ جنات شاہ سکندر صاحب سے ہوا۔ بالآخر سکندر شاہ مطیع ہو کر مرید ہوئے اور ایسی اطاعت کی کہ پہلے شاہ سکندر صاحب کا فاتحہ ہو لیتا ہے پھر حضرت مخدوم صاحب کا فاتحہ ہوتا ہے۔ مخدوم صاحب کی مسجد کے کونہ میں مکان کے گوشہ پر لکھوری اینٹوں کا ایک گھر یا اب باقی ہے یہی سکندر شاہ کی قیام گاہ بھی ہے اور اب آرام گاہ بھی۔ اس حصہ کے باہر مخدوم حافظ شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت شاہ اہل اللہ میاں صاحب لحو خواب ہیں آج بھی منظر مرقد ہر دو حضرات کی سادگی و استغنا یاد دلاتا ہے

گنج مراد آباد

(۲۷۰) ایک بار گنج مراد آباد کے متعلق مولانا بابا نے فرمایا کہ اس مقام کو آباد ہوئے تین سو برس ہوتے ہیں اور یہاں پر کئی ایک بالنسبت بزرگ بھی ہیں لیکن جو نسبت گوہر شہید علیہ الرحمہ کی ہے وہ کسی کی نہیں (۲۷۱) پھر فرمایا کہ اگرچہ سید سالار غازی (علیہ الرحمہ) یہاں آئے اور لڑے گو بڑے بزرگ ہیں لیکن شاہ بدیع الدین صاحب (قطب مدار مکن پور) نسبت میں فائق ہیں۔

کرامت و تبدیل مکانی

(۲۷۲) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام کو لشکر بھیجا مگر وہ ملک فتح نہ ہوتا تھا تو آپ نے مدینہ شریف سے لکھا کہ اچھا ہم خود آتے ہیں بشرطیکہ کوئی ہم سے بات نہ کرے پھر چند روز بعد ہی لوگوں نے دیکھا کہ میدان جنگ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں اور زور سے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر تکبیر کہی بس وہ ملک فتح ہو گیا۔ پھر احمد کی سے مخاطب ہو کر فرمایا سمجھے یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور خوب سمجھا گویا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ شریف سے نکلے نہیں مگر وہاں پہنچ گئے (۲۷۳) اسی پر پھر یہ فرمایا کہ ان کا تو بڑا درجہ ہے ہمارے زمانہ میں ایک بار کافروں سے لڑائی ہوئی وہاں ہمارے چند مسلمان مریدین بھی تھے انہوں ہم کو لکھا ہیں نے کہلا دیا مت ڈرو اللہ تعالیٰ مدد کریگا تو فتح ہو گئی سمجھے کہ نہیں سکی صاحب نے عرض کیا کہ جی ہاں سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ آپ ان کے ساتھ شریک جنگ ہیں۔ (۲۷۴) پھر فرمایا کہ اولیا ابدال و اقطاب وغیرہ کو قادر مطلق نے یہ قدرت عطا کر رکھی ہے کہ وہ جب چاہیں کہ کہیں جائیں ایک ذرا یوں منہ پھیرا اور وہیں پہنچ گئے اک آن میں یہاں اک آن میں وہاں۔ (۲۷۵) سرائے اگھٹ میں منے میاں رئیس کے والد کو مولانا بابا نے ایک نسخہ قرآن شریف مرحمت کیا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ مکتوب ہے۔ ایں کلام پاک را بر مزار رسول الثقلین از اول تا آخر بیست بار خوانده ام۔ بہ بدیع فضل رحمٰن۔" وہ کلام پاک آج بھی موجود ہے۔ یہ روایات اولیائے کرام کے تبدیل مکانی و ظہور امکنہ متعددہ کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔

کرامت

(۲۷۶) مولانا بابا نے فرمایا کہ بنارس کے قریب ایک پہاڑ چنار گڑھ ہے وہاں کے لوگ بھی ہمارے مرید ہوئے وجہ اعتقاد یہ تھی کہ وہاں بیچ میں پانی بہت گہرا پڑتا تھا اس طرف جانے میں بہت

دور سے گھوم کر جانا ہوتا۔ غرضیکہ ہم اسی جگہ سے اتر کر دوسری طرف گئے خدا کی شان اسی وقت سے وہاں پانی پایاب رہ گیا۔ وہاں عرس میں ناچ ہوتا تھا ہم نے ان لوگوں کو اس سے منع کیا کہ بس قرآن خوانی اور تقسیم طعام کیا کرو۔

کرامت و صحت مکاشفہ

(۲۷۷) ایک بار لوگوں میں چاند کی رویت پر بڑا اختلاف ہوا کسی نے کہا فلاں نے دیکھا کسی نے کہا فلاں جگہ سے خبر آئی ہے کل عید ضروری ہے یہ خبر مولانا بابا کو مسموع ہوئی تو فرمایا کہ چاند ہم سے خود مل گیا ہے کہ آج ہم نہ نکلیں گے پھر بعد کو یہ تصدیق بھی ہو گئی کہ بالاتفاق کہیں چاند اس روز نہیں ہوا۔

کرامت نسبت عیسوی

(۲۷۸) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ہم ایک گاؤں گئے ایک مسجد جو غیر آباد تھی اس میں ہم نماز کو گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ٹیڑھی بن گئی ہے اسی لئے نماز بند ہے مگر ہم نے وہیں نماز پڑھی اور تھوڑی دیر وہیں بیٹھے رہے پھر لوگوں سے کہا اب ذرا مسجد کو دیکھو۔ دیکھا تو مسجد بالکل سیدھی تھی۔ فرمایا کہ جس کی نسبت عیسوی ہوتی ہے اس سے ایسی باتیں ہوتی ہیں الحمدللہ کہ نسبت مصطفائی، نسبت موسوی اور نسبت عیسوی سب کا مجموعہ یہ مقدس ہستی ہے۔

کرامت جلیلہ

(۲۷۹) حکیم حیدر علی خاں رحمانی لکھنوی جو عظیم آباد میں مقیم ہو گئے تھے ناقل کہ جب میں آستانہ شریف روانہ ہونے لگا تو ہمارے ہی ایک پیر بھائی نے کہا کہ پیر و مرشد کی خدمت میں بعد سلام کہہ دینا کہ کسی طرح میرے اولاد نہیں ہوتی دعائے خاص فرما دیں۔ فائز خدمت ہو کر میں نے اس شخص کا سلام و پیام بھی عرض کیا تو حضرت مولانا بابا فوراً مراقب ہو گئے اور مجھے توجہ دے کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو توجہ دے دی ہے تم اپنے پیر بھائی کے سامنے جا کر پھونک دینا اللہ تعالیٰ لڑکا دیگا۔ جب میں چلا تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھاری چیز میرے جسم میں ہے۔ میں نے عظیم آباد پہونچکر اس پیر بھائی پر پھونک دیا مجھ سے وہ بوجھ اسی وقت جاتا رہا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے نویں ماہ فرزند عطا کیا۔ بھلا اس خداداد وہبی قوت کا کچھ ٹھکانا ہے۔

فضل رحمانی ناخدائی

(۲۸۰) ملک افغانستان پر جب انگریزوں کی چڑھائی ہوئی تو دادا میاں صاحب نے قیام سلطنت اسلامی کے لحاظ سے مسرور ہو کر فرمایا کہ اخبارات سے معلوم ہوا کہ کابلیوں کی انگریزوں پر فتح ہوئی تو مولانا بابا نے ایک جوش میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کابلی لوگ معمولی بات پر خون کیا کرتے ہیں بخلاف انگریزوں کے سوہن کسی شہر میں ایک بڑے مجذوب بھی تھے لوگوں نے ان سے دعا چاہی کہ کابل میں اسلامی سلطنت ہو۔ تو مجذوب صاحب نے کہا کہ وہ بڈھا (مولانا بابا علیہ الرحمہ) بھی تو کسی طرح مانے وہ تو انگریزی سلطنت چاہتا ہے۔ یہی ایک روایت اتنی جامع ہے کہ مولانا بابا کی منجانب اللہ عطا کردہ قوتوں کو ہر پہلو سے بے نقاب کئے ہوئے ہے۔ ہم تو اتنا ہی کہیں گے کہ

نبی مختار حق ہیں آپ مختار محمد ہیں ؎ جہاں میں ناخدائی اس لئے ہے فضل رحمٰں کی

اب تک جو جو اظہار ہوا وہ ان کرامات کا عشر عشیر بھی نہیں جو صاحب کرامات سے ہوتی رہیں۔ جس کو یوں سمجھ لیجئے کہ جس کثرت سے کہ آپ کے مریدین تھے اسی قدر ان واقعات کا ظہور ہے جس کو جتنا یاد ہے اتنا وہ سنائے جا رہا

ہے اور داستان اتنی کی اتنی ہے یہ باب جب تک بھی اسی آب و تاب سے کھلا ہوا ہے تو ہم اس کا تکملہ کیسے کر سکتے ہیں

گیارہواں باب

اس باب میں ہم خصوصیت سے ان مسائل کا ذکر اجمالاً پیش کر رہے ہیں جو غوث زماں حضرت گنج مراد آبادی نے برزبان مبارک فرمائے ہیں۔

وجہ تسمیہ نقشبندیہ

(۲۸۱) بعد اختتام درس مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب حضرت مودود چشتی حضرت نقشبندیہ سب ایک ہیں اور ہمارے پیر ہیں۔ اگرچہ لوگوں نے نقشبندی کی وجہ بہت سی لکھی ہیں مگر یہ صحیح ہے کہ حضرت بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ مٹی کے برتن بنایا کرتے ایک مرتبہ آپ نے ان برتنوں پر جو توجہ فرمادی تو ان سب پر اسم ذات جناب باری تعالیٰ منقوش ہو گیا۔ (۲۸۲) پھر فرمایا کہ جب حضرت نقشبند علیہ الرحمہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے چلے تو آپ کا وصال ہو چکا تھا حضرت نقشبند نے آپ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر کہا کہ ؎

اے دستگیر عالم دستم چناں بگیر ؎ دستم چناں بگیر کہ گویند دستگیر

قبر سے جواب آیا کہ ؎ اے نقشبند عالم نقشم چناں بگیر ؎ نقشم چناں بگیر کہ گویند نقشبند۔

(۲۸۳) اس کے بعد ہی فرمایا کہ ایک ہندو ہمارے پاس آیا اس پر لوگوں نے بیس ہزار کے قریب جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا تھا ہم نے اس کو غسل کر کے یہ شعر پڑھنے کو بتا دیا اس نے پڑھا تو وہ چھوٹ گیا یہ سن کر مدعی ہمارے پاس آیا ہم نے اسے بھی سمجھا دیا تو وہ مان گیا سبحان اللہ حق نے کیا مقام قبولیت عطا فرمایا تھا۔

مسائل

(۲۸۴) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پاخانے جاتے تو فرماتے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور باہر آنے پر فرماتے غُفْرَانَکَ وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔

(۲۸۵) اور جب رات میں اٹھتے تو کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ الْآخِرَۃِ اور کبھی سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پڑھتے (۲۸۶) دعائے وضو۔ ارشاد فرمایا کہ اگرچہ مشائخ نے وضو میں بہت سی دعائیں نقل کی ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ جتنی مستند ہے اور دوسری نہیں ہے پھر فرمایا کہ مشائخ کی دعائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ ماثورہ کو ہرگز نہیں پا سکتیں

تنفس فی الماء

(۲۸۷) مولانا بابا علیہ الرحمہ نے اپنے دست مبارک سے چلو بنا کر تین بار منہ سے لگایا پھر ہٹا لیا اور فرمایا کہ پانی پینے میں اسی طرح سانس لے ایک دم سب پانی پینا۔ یا گلاس میں منہ لگائے ہوئے رکنا مسنون نہیں یعنی تھوڑا پی کر گلاس منہ سے ہٹا کر سانس لے یہی تین بار کرے

اشعار نعتیہ

(۲۸۸) ایک شخص نے عرض کیا کہ بعض لوگ امام اعظم کو برا سمجھتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ ان کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھنا (۲۸۹) اسی پر دادا میاں نے فرمایا کہ بعض لوگ

نعتیہ اشعار پڑھنے کو منع کرتے ہیں تو مولانا بابا جلال سے کانپ اٹھے اور بیزار ہو کر فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ذکر مت کرو وَلَقَدْ کَلِمَۃَ الْکُفْرِ ۔ کلمہ کفر کی نقل بھی نہ کرنا چاہیے۔

مولود شریف

(۲۸۹) ایک بار جواز مولود شریف کا ذکر ہوا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ تمام قرآن میں پیدائش انبیاء کا ذکر ہے بس یہی مولود شریف ہے۔ (۲۹۰) اسی ضمن میں ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہم تو روز مولود شریف کرتے ہیں حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ جملہ انبیاء اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت ترجمہ قرآن شریف و حدیث شریف یہ مذکور ہی تو مولود شریف ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ بیان پیدائش عظمت و معجزات بھی مولود شریف ہے۔

قیام میلاد

(۲۹۱) اس ذکر پر کہ بعض لوگ جھوٹی روایتیں مبالغہ کے اشعار بلا لحاظ ادب پڑھتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ نیکی برباد گناہ لازم ہے صحیح روایات۔ باوضو۔ باادب ہو اگر کوئی محبت سے قیام کرے تو منع نہ کرو۔ (۲۹۲) ایک بار دو شخصوں میں بحث چھڑی ایک جواز کے قائل ایک ایک عدم جواز کے تو مولانا بابا کو یہ تشدد ناگوار گذرا اور فرمایا کہ میں حشر کے روز خداوند عالم سے عرض کروں گا کہ الٰہی ان لوگوں نے تیرے حبیب کا ذکر محبت سے کیا ہے ان کو بخش دے۔"

بڑا بھائی

(۲۹۳) حضرت قبلہ مولانا بابا کانپور میں تشریف فرما ہوئے مولوی محمد علی صاحب مونگیری بھی فائز خدمت ہوئے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہاں نہر پار ایک مولوی یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں یہ سنتے ہی مولانا بابا صاحب کانپ اٹھے اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ہمارے سامنے ذکر مت کرو نعوذ باللہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ پھر فرمایا۔

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم ✿ زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

سبحان اللہ کیا بات فرمائی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتے کی برابری کا بھی خیال بے ادبی ہے۔

فاتحہ

(۲۹۴) ایک صاحب نے فاتحہ کی بابت دریافت کیا مولانا بابا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمائی اور فرمایا کہ یہ میری تمام امت کی طرف سے ہے بس یہی فاتحہ ہے۔ (۲۹۵) مولوی یوسف علی بھوپالی نے ایصال ثواب کے لئے بتاشے منگوائے تو مولانا بابا نے دست مبارک اٹھا کر پڑھا اور فرمایا کہ اس کا ثواب ہمارے نانا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو پہونچے اور خود ہاتھ لگا کر حکم تقسیم دیا۔

ذکر نبی

(۲۹۶) مولوی محمد علی صاحب مونگیری سے مخاطب ہو کر حضرت مولانا بابا نے فرمایا کہ مولود کیا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا یہ بھی مولود ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہوا یہی ذکر رسالت و مدائح کا عرف عام ہی مولود ہے۔ سلام ہو یا قیام یا ذکر رسالت ادب و محبت سے باعث خوشنودی رب العزت ہے جو اہل محبت ہیں ان کو ہی خدائے قدوس نے اس کی توفیق بخشی ہے (۲۹۷) ایک بار داد امیاں علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ بعض لوگ میلاد شریف کو شرک و کفر کہتے ہیں تو مولانا بابا غصہ سے کانپنے لگے پھر فرمایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ تو ہم تو روز مولود میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ سمجھا آپ نے اپنی نماز میں کہنا شرک نہیں تو خارج از نماز

کیسے شرک ہے۔

یا رسول اللہ

(۲۹۸) ایک شخص نے سوال کیا کہ مشکل یا حاجت کے وقت یا رسول اللہ کہنا کیا ہے۔ مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ ایک نابینا حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بینائی چاہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا محمد انی اتوجہ الیک الخ طریقہ اسے تعلیم فرمایا۔ الٰہی بحرمت کہنا۔ (۲۹۹) درس حدیث میں استسقا بعم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آئی تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اسی واسطے الٰہی بحرمت فلاں کہنا درست ہے۔

بردجبرہ

(۳۰۰) ایک روز بردجبرہ کا ذکر درس حدیث میں آیا تو مولانا بابا نے فرمایا کہ یہ لنگیاں (تہبند) جو پہنی جاتی ہیں اسی کے قائم مقام ہیں (۳۰۱) اسی اثنا میں موذن نے اذان دی تو بعد اختتام مولانا بابا نے دعائے اذان بغیر وارزقنا شفاعتہ پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ حدیث میں نہیں۔ بلکہ بڑھا دیا گیا ہوا ہے۔

مسئلہ

(۳۰۲) درس حدیث میں حدیث کمل من الرجال کثیر ومن النساء پر احمد مکی نے سوال کیا کہ حضرت عائشہ اور بی بی فاطمہ میں کس کو فضیلت ہے؟ تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے پھر ہات سے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور مراقب ہوئے تھوڑی دیر بعد سکوت کا اشارہ پھر کیا اور مراقب ہوئے پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ اس مقدمہ میں گفتگو نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ

(۳۰۳) مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ جس کی چھ نمازیں بیہوشی سے چھوٹ جائیں تو اس کی قضا نہیں یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

منی آرڈر

(۳۰۴) مکی صاحب نے سوال کیا کہ منی آرڈر کرنا کیسا ہے؟ مولانا بابا نے فرمایا کہ درست نہیں ہاں مگر ایک حیلہ ہے جیسے ہم کو سو روپیہ کہیں بھیجنا ہے ہم نے مہاجن سے کہا کہ یہ سو روپیہ فلاں جگہ پہنچا دو اور ایک یا دو روپیہ اس کی اجرت لے لو۔

نازک مسئلہ

(۳۰۵) مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک بار حیدرآباد میں ایک مسئلہ پر سخت بحث تھی فرنگی محل کے علماء بھی اس میں کچھ کہہ نہ سکے ایک ہمارے دوست نے ہم سے کہا میں نے اس پر لکھ دیا کہ اگر کسی کو کوئی گھونسا مارے اور وہ مر جائے تو اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت ہے۔ وہ شخص بچ گیا اور بہت خوش ہوا۔ (۳۰۶) اسی پر یہ ارشاد فرمایا کہ ایسے ہی رامپور میں بزمانہ نواب احمد علی خاں ایک بڑے مولوی صاحب تھے وہ بھی ایک مسئلہ میں گم تھے ہم نے ان سے وہ مسئلہ کہلا بھیجا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے لڑکے آکر ہمارے مرید ہوگئے۔

جواز تبرکات

(۳۰۷) درس قرآن کریم میں وبقیۃ مما ترک آل موسیٰ وآل ہارون کی تفسیر میں مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ یہ تبرکات عصا عمامہ۔ جوتے تھے پھر جلالین دیکھنے کا حکم دیا تو اس میں یہی مسطور تھا پھر فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ بزرگوں کا جوتہ وغیرہ تبرک ہے۔

آیت الکرسی۔ (۳۰۸) ارشاد فرمایا کہ آیت الکرسی عظیم تک بھی ہو لیکن خالدون تک بہتر ہے۔

بڑا دن

(۳۰۹) ایک دن مولانا بابا نے فرمایا کہ فرنگی جو بڑا دن مانتے ہیں یہ ان کا نہیں ہمارا بڑا دن ہے کیونکہ

مولانا بابا نے کسی سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ یوں پڑھا کرو سے

زمانہ دل میں اے فکر درد عالم ٭ جمال یار یہاں مہرا ہوا ہے

مختلف معمولات

(۴۹۰) آپکا معمول تھا کہ فرائض اول وقت ادا فرماتے یکتوبہ نماز میں نہ طول پڑھتے نہ مختصر مگر متوسط طور پر۔ پارہ عم کی چھوٹی سورتیں عام طور پر تلاوت فرماتے بعد سلام صرف اللھم انت السلام آخر تک پڑھتے رفع سبابہ نہ کرتے اور فرماتے ہمارے مجدد صاحب نہ اٹھاتے تھے۔ جمعہ و عیدین میں سبح اسم ربک اور سورۂ غاشیہ ورنہ سورہ جمعہ پڑھتے۔ جمعہ کا خطبہ مختصر مؤلفہ مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ پڑھتے نماز جمعہ بھی بعد زوال اول وقت ادا کرتے عیدین میں بھی وقت چاشت تک پڑھ لیتے درس حدیث و قرآن پاک کے بعد صحت کلام مجید اور اس کی تقسیم محبوب خاطر عاطر تھی۔ جواب خطوط مختصراً فارسی میں بھیجتے۔ (۴۹۱) صاحب کمالات رحمانی صفحہ ۱۱۷ پر ناقل کہ جب آپ کے زخم ہوا تو آپ حجرہ میں نماز ادا کرتے صحیح نہیں اس لئے کہ مولانا بابا جب تک حجرہ مسجد میں مقیم رہے پانچوں وقت باجماعت نماز مسجد میں ادا کرتے رہے وصال کے آخری دو برس آپ نے زنانہ مکان کی پشت پر قیام فرمایا تو حجرہ چھوڑ دیا زخم اور نقاہت کی وجہ سے آنے جانے میں طوالت ہوتی تھی مگر اس مکان میں بھی باجماعت نماز ادا فرماتے جب جمعہ پڑتا تو بہرحال مسجد تشریف لاتے۔ وضو ہمیشہ تازہ کرتے اور نماز و وضو کا پیشتر سے اہتمام فرماتے جب تک نماز نہ ادا کر لیتے ایک بار معلوم ہوتا۔

ترک نماز

(۴۹۲) فضائل نماز اور اس کے ترک کا ذکر درس حدیث میں آیا تو احمد کی صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب لوگ کیا مرفوع القلم ہوتے ہیں تو مولانا بابا نے فرمایا کہ اگر مجذوب لوگ با ہوش و حواس ہیں تو بیشک ان سے باز پرس ہوگی ہاں اگر نماز کے وقت بالکل ہوش نہ ہو تو مرفوع القلم ہیں۔

حسن عبادت

(۴۹۳) سورہ حجر زیر آیت فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ مولانا بابا نے فرمایا گو یہاں سجدہ نہیں لیکن معناً نکلتا ہے اسی لئے ہم نے یہاں بھی سجدہ کیا۔ جس ذات کی نگاہ اتنی دقیق اور حسن بندگی اتنی ممتاز ہو اس کے لئے تھانوی جی کہتے ہیں کبھی خیال ہو گیا تو مستحباب پر بکر ہو گئی۔ نعوذ باللہ۔

کچھ ایسی نماز سے گل گشت کو نکلے تھے مولانا ٭ مہکا اٹھا ہے ہر ذرہ طریقت کے گلستاں کا

(۴۹۴) ایک صاحب مولانا بابا کے پیر داب رہے تھے اتفاق سے ران پر ہاتھ رکھ دیا معاً آپ نے ان کو ڈانٹا کہ تم کو اتنا بھی شعور نہیں یہ مقام ستر ہے۔ اس حسن احتیاط پر قربان جایئے کبھی گھٹنوں سے اوپر غیر کا ہاتھ مس نہ ہونے دیا۔ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا اہتمام لازمی فرماتے یہ ایسی کب ہیں کہ خیال ہوا تو مستحبات پر بکرہ ہو گئی لا حول ولا قوۃ۔

کیف نماز

(۴۹۵) ارشاد فرمایا کہ جو لطف نماز میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشا وہ آب کوثر میں ہے نہ حوروں میں ہے حشر کے دن اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے کہ کیا چاہتا ہے تو میں اول دوزخ سے پناہ مانگ لوں گا کیونکہ جہنم سے پناہ مانگنا سنت ہے پھر یہ کہوں کہ میرے رب دنیا میں جس طرح میں نماز پڑھا کرتا تھا یہاں بھی پڑھوں جو مزہ تو نے مجھے اس میں بخشا کسی میں نہ ملا۔

معرفت

(۴۹۶) پھر فرمایا کہ جو کوئی بعد نماز عشا موافق سنت باتیں کرے اس کو وہ شخص جو رات بھر عبادت کرے نہیں پہنچتا اسی طرح جو شخص صبح کی نماز اہتمام سے ادا کرے اس کو رات بھر عبادت کرنے والا نہیں پاتا۔

مسائل دقیقہ

(۴۹۷) فرمایا کہ چاند کے بارے میں قول نجومی غیر معتبر ہے اگر کسی فرد واحد نے چاند دیکھا اور بوجہ واحد شہادت کی بنا پر اسکی گواہی اگر قبول نہ ہوئی جب بھی اس دیکھنے والے کو روزہ رکھنا فرض ہے۔ (۴۹۸) فرمایا کہ تیس شعبان کو رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے یعنی خیالی رویت پر ہاں رویت نہ ہونے کے اطمینان پر نفلی نیت سے روزہ رکھنا جائز ہے۔ تلاش رویت ہلال ماہ مبارک ۲۹ شعبان کو غروب پر ضروری ہے۔ (۴۹۹) اگر غلطی سے افطار غروب سے پہلے ہو گیا یا سحری ایسے وقت کھائی کہ صبح صادق تھی تو روزہ فاسد ہے اور قضائے صوم واجب ہے۔

مرزا حسن علی صاحب

(۵۰۰) احمد مکی نے پوچھا کہ مولوی حسن علی صاحب محدث لکھنوی اور حضور والا ایک ساتھ دہلی گئے تھے مولانا بابا نے فرمایا کہ مرزا صاحب وہاں جا کر شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھ آئے تھے پھر ان کا جب دوبارہ ارادہ ہوا تو ہم سے کہا مگر اس وقت ہمارے پاس زاد راہ نہ تھا کچھ روز بعد ہمارا بھی جانا ہو گیا جب ہم آگرہ ایک سرائے میں ٹھہرے وہاں مرزا صاحب ملے اور دہلی تک ساتھ ہوا۔ (مولوی حسین احمد ملیح آبادی) اور مرزا صاحب کا بھی ساتھ جانا صحیح نہیں ہے۔

تمام شد جلد اول

نوٹ:- اگر زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ جلد ہی ہم جلد ثانی بھی مستند تذکرہ فضل رحمانی کے ہدیہ ناظرین کریں گے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین